وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ وفاق المدارس ملتان

جلد نمبر: ۲۳ شمارہ نمبر: ۴ ربیع الثانی ۱۴۴۷ھ اکتوبر ۲۰۲۵ء

بیاد

شمس العلماء
حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء
حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر
حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام
حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

جامع المعقول والمنقول
حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین
حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین
حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق حقانی مدظلہم
سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر اعلیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر

مولانا محمد احمد حافظ

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون نمبر 27-6514526-061-6514525 فیکس نمبر 061-6539485

Email:wifaqulmadaris@gmial.com web:www.wifaqulmadaris.org

ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ◉ مطبع: اقرا اختر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی بوہڑ گیٹ ملتان

شائع کردہ مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

پاک سعودی دفاعی معاہدہ: عالم اسلام کے لیے نیا سنگِ میل	شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم	۳
تنزانیہ: تبلیغی جماعت کے مرکز میں فکر انگیز خطاب	شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم	۶
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کا آخری خطاب	انتخاب: حافظ خرم شہزاد	۱۳
درود شریف کی ایک علمی بحث	مولانا مفتی عبداللہ فردوس	۱۵
علمائے کبار کے اقوال کی تشریح میں احتیاط کی ضرورت	مولانا بدر الحسن القاسمی (کویت)	۲۴
قدرتی آفات اور ہماری ذمہ داریاں	مولانا رفیع الدین حنیف قاسمی	۲۸
پاکستان میں حالیہ تباہ کن سیلاب	محمد احمد حافظ	۳۴
حضرت شیخ احمد القشاشی رحمۃ اللہ علیہ	مولانا جنید اشفاق انگی	۳۸
اہلِ مدارس اور علمائے کرام کے لئے لمحہ فکریہ	مولانا مفتی محمد نعیم میمن	۴۹
مطالعے کی میز سے	محمد احمد حافظ	۵۲
تاریخی درس گاہ جامعہ ڈابھیل کا صد سالہ اجلاس	جناب راشد اسعد فاضل جامعہ ڈابھیل	۵۶
تدریب المعلمین برائے شعبہ حفظ و تجوید، ضلع پشاور	مولانا مفتی سراج الحسن	۵۹
تبصرہ کتب	محمد احمد حافظ	۶۲

﴿مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں﴾

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر-سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر-ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر-

اندرون ملک قیمت: فی شمارہ: 40 روپے، زر سالانہ مع ڈاک خرچ: 540 روپے

مدیر اعلیٰ کے قلم سے

پاک سعودی دفاعی معاہدہ: عالم اسلام کے لیے نیا سنگِ میل

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم

ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

پاکستان اور سعودی عرب کے تعلقات کی بنیاد محض سفارتی، سیاسی یا جغرافیائی نوعیت کی نہیں بلکہ یہ رشتہ ایمان، عقیدے اور حرمین شریفین کی محبت کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ برسوں پر محیط اس قلبی وابستگی نے دونوں برادر اسلامی ممالک کو ایک دوسرے کے نہ صرف قریب رکھا بلکہ ہر آزمائش کی گھڑی میں ایک دوسرے کا سہارا بنایا۔ آج جب پاکستان اور سعودی عرب نے ایک تاریخی دفاعی معاہدے پر دستخط کیے ہیں تو یہ محض ایک کاغذی یا رسمی کارروائی نہیں بلکہ اسلامی اخوت، اعتماد اور باہمی تعاون کا نیا سنگِ میل ہے۔

یہ معاہدہ بلاشبہ دونوں ممالک کے تعلقات کو نئی جہت اور مزید استحکام بخشے گا۔ سعودی فرمانروا خادم الحرمین الشریفین شاہ سلمان، ولی عہد محمد بن سلمان اور پاکستان کے وزیرِ اعظم میاں محمد شہباز شریف و فیلڈ مارشل سید عاصم منیر خصوصی طور پر مبارک باد اور خراج تحسین کے مستحق ہیں جنہوں نے امت مسلمہ کے ایک دیرینہ خواب کو شرمندہ تعبیر کیا اور اس تاریخی اقدام کے ذریعے پوری امتِ مسلمہ کو یہ پیغام دیا ہے کہ حرمین شریفین کا تحفظ اور ارضِ مقدسہ کی سلامتی صرف سعودی عرب کی ذمہ داری نہیں بلکہ یہ پوری امت کا اجتماعی فریضہ ہے۔

اس سعادت کے حصول میں پاکستان کی افواج کا کردار یقیناً ایک اعزاز ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ پوری پاکستانی قوم اپنے دل کی گہرائیوں سے حرمین کی پاسبانی کو اپنی سعادت اور ایمان کا حصہ سمجھتی ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جس نے پاکستان اور سعودی عرب کے رشتے کو محض ایک معاہدے یا مفاہمت سے کہیں بڑھ کر عقیدے، محبت اور اخوت کے رشتے میں پرو دیا ہے۔ اور یہ سب کوئی پہلی مرتبہ نہیں ہو رہا بلکہ ہمیشہ ہی پاکستان اور سعودی عرب یک جان اور دو قالب رہے۔۔۔ پاکستان پر کوئی بھی مشکل وقت آیا۔۔۔ زلزلہ ہو یا سیلاب۔۔۔ اقتصادی مسائل ہوں یا معاشی مشکلات۔۔۔ سعودی عرب نے ہمیشہ پاکستان کے بڑے بھائی والا کردار ادا کیا اور پاکستان کی مدد اور تعاون میں سعودی عرب پوری دنیا اور دیگر ممالک کے مقابلے میں پیش پیش رہا۔۔۔ زلزلہ اور سیلاب کے بعد متاثرین کی

خدمت ہو یا پاکستان اور آزاد کشمیر کی تعمیر نو۔۔۔ پاکستان کو دیوالیہ ہونے سے بچانے اور گرتی معیشت کو سہارا دینے کے لیے سعودی عرب کی طرف سے مختلف صورتوں میں جو تعاون کیا جاتا رہا وہ کبھی نہیں بھلایا جا سکتا۔

یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ آج کا عالمی منظر نامہ امتِ مسلمہ کے لیے بڑے چیلنجز اور سنگین مسائل سے بھرا ہوا ہے۔قطر اور دیگر اسلامی ممالک پر پے در پے اسرائیلی حملے، اسرائیل کے توسیع پسندانہ عزائم اور مسلم ممالک کو عدم استحکام سے دوچار کرنے کی کوششیں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ ایسے میں پاکستان اور سعودی عرب کا قریب آنا اور دفاعی تعاون کو نئی بنیادوں پر استوار کرنا نہایت خوش آئند اور وقت کی اہم ضرورت ہے۔خصوصاً قطر پر اسرائیلی حملے کے بعد اس معاہدے کی شدت سے ضرورت محسوس کی گئی۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ قطر سمیت دیگر اسلامی ممالک کو بھی اس اتحاد کا حصہ بنایا جائے اور نیٹو طرز پر ایک ایسا مشترکہ دفاعی ڈھانچہ قائم کیا جائے جو پوری امتِ مسلمہ کے تحفظ کا ضامن ہو۔اس طرح یہ معاہدہ نہ صرف دو ممالک کے درمیان تعاون کی مثال ہوگا بلکہ عالم اسلام کے لیے اجتماعی بقا کی ضمانت بھی فراہم کرے گا۔

اللہ رب العزت نے عالم اسلام کو جن قدرتی وسائل سے مالا مال کر رکھا ہے۔۔۔سیال سونے کی شکل میں تیل اور دیگر معدنیات کے خزانے۔۔۔عزم و ہمت اور جذبہ ایمانی سے معمور افرادی قوت۔۔۔سمندروں اور آبی گزرگاہوں پر واقع ریاستیں۔۔۔جغرافیائی اعتبار سے سب سے آئیڈیل مقامات پر واقع بندرگاہیں اور امکانات کا ایک پورا جہان ہے لیکن بدقسمتی سے باہمی اتحاد و اتفاق اور دور اندیش اور بہادر قیادت کا فقدان ہے اگر عالم اسلام کے تمام ممالک ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو جائیں اور جس طرح سعودی عرب اور پاکستان نے ایک دوسرے کے ہاتھ سے ہاتھ ملایا ہے اس طرح اگر ان دونوں ممالک کی قیادت میں پوری اسلامی دنیا ان کی پشت پر آ کھڑی ہو تو دنیا کا منظر نامہ تبدیل ہو سکتا ہے۔

پاکستان نے ماضی میں بھی بار ہا یہ ثابت کیا ہے کہ وہ صرف اپنے ملک ہی نہیں بلکہ امتِ مسلمہ کے مفادات کے لیے بھی سینہ سپر ہوتا ہے۔ بنیانِ مرصوص کی طرح سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر پاکستان نے معرکۂ حق میں اپنی قربانیوں کا لوہا منوایا۔

پاک بھارت جنگ میں اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو عظیم فتح عطا کی جس کے بعد دنیا بھر میں پاکستان کی عسکری مہارتوں کا اعتراف کیا گیا اور سفارتی محاذ پر بھی اس کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوا۔ترکی، چین، قطر اور دیگر برادر ممالک میں پاکستان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور دنیا نے اس بات کا اعتراف کیا کہ پاکستان نہ صرف ایک مضبوط دفاعی قوت ہے بلکہ ایک ذمہ دار، باوقار اور پرامن ملک بھی ہے۔ یہ پذیرائی آج بھی پاکستان کے لیے سرمایۂ

افتخار ہے اور یہی وہ بنیاد ہے جس پر یہ نیا دفاعی معاہدہ مزید اعتماد اور استحکام کے ساتھ استوار ہوا ہے۔

پاکستان کی افواج نے صرف جنگی میدان میں نہیں بلکہ تعمیرِ وطن، قدرتی آفات میں عوام کی خدمت اور عالمی امن قائم رکھنے میں بھی شاندار کردار ادا کیا بالخصوص تاریخ میں بھی کئی مواقع پر پاکستانی فوج کے کمانڈوز نے حرمین شریفین میں قیامِ امن کے لیے ایسا کردار ادا کیا جو تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جاتا ہے۔اس تاریخی کردار کے باعث اس معاہدے کو محض عسکری تعاون نہ سمجھا جائے بلکہ اسے ایک ایسے فریم ورک کے طور پر دیکھا جائے جو پاکستان کی روایتی قربانیوں، عملی خدمات اور امت کے درد کا عملی اظہار ہے۔اسی پس منظر میں یہ دفاعی معاہدہ نہ صرف پاکستان بلکہ پوری امتِ مسلمہ کے لیے امید کی کرن ہے۔

یہ معاہدہ عالم اسلام کے اتحاد، مشترکہ دفاع اور دیرپا استحکام کی طرف ایک اہم قدم ہے جو آنے والے دنوں میں خطے کے امن اور عالمی امن کے لیے سنگِ میل ثابت ہوگا۔

ہمیں یقین ہے کہ اس معاہدے کے اثرات صرف پاکستان اور سعودی عرب تک محدود نہیں رہیں گے بلکہ پوری امتِ مسلمہ کی مجموعی وحدت، تعاون اور دفاعی صلاحیت پر مثبت اور دیرپا نقوش چھوڑیں گے۔

یہ معاہدہ اس امر کا اعلان ہے کہ مسلمان ممالک اب مزید کمزور نہیں رہیں گے، اب امت اپنی سمت طے کرنے اور اپنی تقدیر اپنے ہاتھوں میں لینے کے لیے پرعزم ہے۔

اس موقع پر ہم پاکستان کی سیاسی وعسکری قیادت، خصوصاً پاک فوج کے کردار پر فخر کرتے ہیں اور اپنی دعا اور نیک تمناؤں کے ساتھ ان کی کاوشوں پر خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔یہی وہ جذبہ ہے جو ہماری ترقی، ہماری کامیابیوں اور ہماری اجتماعی عزت کا ضامن ہے۔اللہ رب العزت پاکستان کو مزید عزت، سربلندی اور کامیابی و کامرانی سے ہمکنار فرمائیں اور اس معاہدے کو حرمین شریفین کے تحفظ اور قبلہ اول کی آزادی کا ذریعہ بنائیں، آمین!۔

☆☆☆

تنزانیہ: تبلیغی جماعت کے مرکز میں فکر انگیز خطاب

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

ضبط وترتیب: مولانا جنید اشفاق اٹکی

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے ۲۷ رجب ۱۴۴۶ھ مطابق ۲۸ جنوری ۲۰۲۵ء منگل کے روز تنزانیہ کے شہر دارالسلام کے تبلیغی مرکز میں فکر انگیز خطاب فرمایا، یہ خطاب خاص طور پر تبلیغی جماعت کے حوالے سے ہے۔ شروع کا تقریباً ایک منٹ کا تمہیدی حصہ، فی الحال دستیاب نہ ہو سکا، تاہم اصل گفتگو جہاں سے شروع ہو رہی ہے وہ حصہ افادۂ عام کے لئے پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

(میرے بھائیو، دوستو، بزرگو!) دین کا کام اس طرح نہیں ہوتا کہ پہلے اس کے بڑے بڑے منصوبے بنائے جائیں اور اس کے نقشے تیار کیے جائیں، اس کا بجٹ منظور کرایا جائے، اس کی feasibility report تیار کی جائے بلکہ دین کا کام ایک آدمی سے شروع ہوتا ہے۔ اور یہ بات خود نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ سے ثابت کر دی۔ جب آپ اس دنیا میں تشریف لائے تو تن تنہا تھے، کوئی ساتھی نہیں، کوئی مددگار نہیں، کوئی جماعت نہیں، کوئی منصوبہ نہیں، کوئی پلان نہیں، کوئی وسائل نہیں، اور اتنی بڑی ذمہ داری اللہ جل جلالہ نے غارِ حرا میں آپ کے سپرد فرما دی اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ

کیا معنی؟ کہ اب آپ کا کام کیا ہے؟؟ دنیا کے سامنے حق کا پیغام پڑھ کر سنانا! کن وسائل کے ذریعے سنانا ہے؟ اس کے لیے آپ کوئی مدرسہ بنائیں گے؟ کوئی مرکز تعمیر کریں گے؟ کوئی درسگاہ بنائیں گے؟ کوئی جماعت بنائیں گے، کوئی انجمن بنائیں گے؟ وہ انجمن صدر، سیکریٹری، ناظم اور خازن وغیرہ پر مشتمل ہوگی؟ نہیں!! ایک ہی واسطہ ہے کہ کیا کرو گے؟ اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ

یعنی یہ کام جو ہم آپ کے سپرد کر رہے ہیں، پڑھو، دنیا کے سامنے! اب کیا پڑھو؟ یہ بھی نہیں! عربی زبان میں جب مفعول موجود نہیں ہوتا، فعل آ رہا ہے، مفعول نہیں آ رہا تو اس کا مطلب ہے سب کچھ پڑھو۔ عقیدہ پڑھو، عبادات پڑھو، اخلاق پڑھو، معاشرت پڑھو، دنیا میں زندگی گزارنے کا طریقہ پڑھو۔ یہ سب پڑھ کر سناؤ ساری

دنیا کو۔ اور اپنے اس پڑھے ہوئے کلام کی طرف لوگوں کو بلاؤ۔ اس کا ذریعہ کیا ہوگا؟ کوئی پلان نہیں، کوئی منصوبہ نہیں، کوئی بجٹ نہیں، کچھ نہیں!! صرف ایک بجٹ ہے۔ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ اپنے اس پروردگار کے نام پر یہ کام کرو جس نے تمہیں پیدا کیا۔

سرکار دو جہاں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم آیا اقرأ، پڑھو! سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب فرشتے نے یہ پیغام پہنچایا تو آپ نے پہلے فرمایا: ما أنا بقارئ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، میں نے ساری زندگی پڑھنا نہیں سیکھا، نہ پڑھنا جانتا ہوں، نہ لکھنا جانتا ہوں، تو آپ مجھے کیسے یہ بتا رہے ہیں کہ تم پڑھو؟ یہ سوال کیا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے! اس کا ایک جواب یہ ہوسکتا تھا دنیا کے حساب سے کہ اگر پہلے خود نہیں پڑھا تو پڑھنا سیکھو، کسی مدرسے میں جا کر داخلہ لو، پڑھنا سیکھو، پھر پڑھو۔ لیکن اللہ جلّ جلالہ نے جس فرشتے کو آپ کے پاس بھیجا تھا، اس نے یہ نہیں کہا کہ اس طرح پڑھو، بلکہ آپ کے سینہ مبارک کو اپنے سینے سے لگا کر دبایا اور پھر کہا اقرأ پڑھو، کیا مطلب؟ کہ آپ کو پڑھنے کے لیے اور لوگوں کے سامنے پڑھ کر سنانے کے لیے کسی سکول میں، کسی مدرسے میں، کسی درسگاہ میں تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کے سینۂ اقدس میں براہ راست مضمون ڈالے جائیں گے، جو مدرسے میں حاصل نہیں ہوسکتے۔ ایک مرتبہ دبایا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما أنا بقارئ دوبارہ دبایا پھر فرمایا ما أنا بقارئ تیسری بار دبایا، تیسری بار دبانے کے بعد سینۂ اقدس پر سارے علوم اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے وارد کردیے گئے۔ اور پھر آگے آیات آئیں:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ، اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَکْرَمُ ، الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۔

بتادیا کہ دنیا کے اندر بیشک ہم نے علم حاصل کرنے کا ذریعہ قلم کو بنایا ہے، قلم سے لوگ لکھتے ہیں پھر پڑھنے والے اس کو پڑھتے ہیں، پڑھانے والے اس کو پڑھاتے ہیں، پھر جا کر علم حاصل ہوتا ہے۔ لیکن عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ - ایک علم وہ ہوتا ہے جو انسان کو باری تعالیٰ براہ راست عطا فرماتے ہیں، وہ علم جو اس کو حاصل نہیں تھا، تو آپ کے پاس ہم نے فرشتہ بھیجا ہے جو آپ کے سینہ اطہر کو دبا کر ساری دنیا کے اولین وآخرین کے علوم آپ کے سینہ اقدس میں جمع کردے گا۔ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کی، نبی بننے کی عظیم ذمہ داری ڈالی گئی، اس کا بوجھ اتنا ہوا کہ جاڑا چڑھ گیا، یہ سارا کام اس طرح سپرد کیا گیا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو!! تن تنہا، یہ نہیں کہا کہ آپ کوئی جماعت بنالینا، اس کا ایک صدر بنالینا، اس کا ایک سیکریٹری بنالینا، اس کا ایک خازن بنالینا، اس کا ایک

بجٹ متعین کرلینا، کچھ نہیں!! بس ہمارے حکم کی تعمیل میں پڑھتے جاؤ! ہمارے حکم کی تعمیل میں دعوت دیتے جاؤ! اور سب سے پہلے آپ آغاز کرو اپنے خاندان والوں سے! وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ اپنے قریب ترین خاندان والوں کو سب سے پہلے جا کر دعوت دو۔ ایمان کی، توحید کی!

اللہ جلّ جلالہ جب دین کا کام شروع کراتے ہیں تو پہلے سے منصوبے نہیں بنتے، پہلے سے تنظیمیں نہیں بنتیں، پہلے سے بجٹ منظور نہیں ہوتے، پہلے سے feasibility تیار نہیں ہوتی، بلکہ اللہ کا کوئی بندہ ہوتا ہے، اللہ اس کے اوپر القاء فرما دیتے ہیں کہ تم یہ کام کرو اور وہ کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اور کرنے کے نتیجے میں خود اللہ تعالیٰ اس کے پاس لوگوں کو کھینچ کھینچ کر لاتے ہیں ؎

میں تو تنہا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

آج آپ دیکھتے ہو کہ الحمد للہ دارالعلوم دیوبند کا فیض دنیا کے مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا ہے۔ مجھے اللہ تبارک و تعالیٰ نے دنیا بہت دکھائی، دنیا کے چھ کے چھ براعظم میں نے دیکھے ہیں، اور دور دراز دنیا کے علاقوں میں بھی جانا ہوا، اتفاق سے تنزانیہ پہلی بار آیا ہوں، ورنہ ساری دنیا میں نے دیکھی ہوئی ہے۔ جہاں کہیں گیا ہوں تو وہاں دارالعلوم دیوبند کا براہ راست یا بالواسطہ فیض آنکھوں سے نظر آتا ہے۔

ایک مرتبہ میں انڈونیشیا میں تھا، لوگ مجھے پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے ، عام بستی سے بہت دور! وہاں مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو میں نے ساتھی سے کہا کہ بھئی کوئی مسجد ہے؟ نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ مسجد میں جا کر نماز پڑھی، نماز پڑھنے کے بعد امام صاحب آئے، ان سے ملاقات ہوئی کہ بھئی آپ کہاں سے ہیں؟ کہا جی! میں دارالعلوم دیوبند کا فاضل ہوں۔ اس چھوٹی سی مسجد میں، پہاڑ کی ایک مسجد میں بھی، وہ دین کا چراغ روشن کیے ہوئے ہیں۔

یہ کیسے ہوا؟ یہ اس طرح نہیں ہوا تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمهما الله نے ایک نقشہ بنایا ہو، ایک پلاٹ خریدا ہو، اور پلاٹ کا نقشہ بنایا ہو اور اس میں یہ بتایا ہو کہ یہ امیر ہوگا، یہ صدر ہوگا، یہ سیکریٹری ہوگا بلکہ وہ دو آدمی تھے۔ ایک استاد ایک شاگرد۔ استاد مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور شاگرد ملا محمود، دونوں انار کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ استاد نے پڑھانا شروع کر دیا، طالب علم نے پڑھنا شروع کر دیا، یہاں سے آغاز ہوا۔ کوئی منصوبہ نہیں، کوئی پلان نہیں، کوئی دستور نہیں، کوئی تنظیم نہیں، وہیں شروع ہوگیا۔ لیکن

”لوگ ملتے گئے اور کارواں بنتا گیا“

اسی طرح دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا، لیکن بعد میں اس مدرسے کی عمارت بھی بنی، اس کا نظام بھی بنا، اس کا دستور بھی بنا، اس کا مہتمم بھی ہوا، نائب مہتمم بھی ہوا۔ ناظم بھی ہوا، سب کچھ ہوا۔ لیکن مقصود کیا تھا؟ مقصود صرف اِقْرَأْ تھا۔ یہ سب چیزیں جو تھیں، یہ ثانوی درجے کی تھیں، یہ مقصود نہیں، تنظیم مقصود نہیں، جماعت مقصود نہیں، صدر، سیکریٹری مقصود نہیں، امیر مامور مقصود نہیں، مقصود کیا ہے؟ ؟ علم!! اس کے لیے دارالعلوم دیوبند کام کرتا چلا گیا۔ بعد میں کچھ گڑبڑ ایسی ہوئی کہ وہ علم جو مقصود تھا اس کے بجائے یہ جو تنظیم تھی، اس میں کچھ جھگڑے پیدا ہو گئے، تنظیم پہ جھگڑے ہو گئے، علم میں جھگڑا نہیں ہوا، تنظیم میں ہو گیا، نتیجہ کیا ہوا؟ تنظیمیں تو دو ہو گئیں، ایک دارالعلوم دیوبند قدیم، ایک دارالعلوم دیوبند وقف۔ لیکن إقرأ وہاں بھی ہو رہا ہے، إقرأ یہاں بھی ہو رہا ہے۔ پڑھایا وہاں بھی جا رہا ہے، پڑھایا یہاں بھی جا رہا ہے۔ دونوں کام چل رہے ہیں۔ لڑائی جھگڑے کی کوئی بات نہیں، شروع میں ہوا، غلطی ہوئی، لڑائی جھگڑا نہیں ہونا چاہیے تھا، لیکن مقصود کیا تھا؟ تنظیم تھی؟ مہتمم ہونا تھا؟ صدر مدرّس ہونا تھا؟ نہیں !! مقصود علم تھا، اِقْرَأْ تھا۔ وہ إقرأ وہاں بھی ہو رہا ہے، وہ اِقْرَأْ یہاں بھی ہو رہا ہے، مقصود حاصل ہے۔ اب اگر ہم سے کوئی پوچھتا ہے کہ بھئی! تعلیم حاصل کرنے کے لیے کہاں جاؤں؟ وہ اگر کہے کہ میں دارالعلوم دیوبند قدیم میں جانا چاہتا ہوں، دوسرا کہتا ہے کہ میں دارالعلوم وقف میں جانا چاہتا ہوں، میں نے کہا سبحان اللہ! جہاں جانا چاہو، چلے جاؤ اِقْرَأْ وہاں بھی ہو رہا ہے اِقْرَأْ یہاں بھی ہو رہا ہے۔ لہٰذا جہاں چاہو، چلے جاؤ اور بس یہ نہ سمجھو کہ جو وہاں ہے وہ میرا دشمن ہے، اور جو یہاں ہے وہ میرا دوست ہے بلکہ وہ بھی طالب علم یہ بھی طالب علم، وہ بھی معلّم یہ بھی معلّم، وہ بھی دین کا درس دے رہا ہے، یہ بھی دین کا درس دے رہا ہے، اصل مقصود میں دونوں متحد ہیں، لہٰذا کوئی کسی کو اپنا دشمن نہ سمجھے، کوئی اپنے آپ کو کسی کا مخالف نہ سمجھے۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے تبلیغی جماعت نے ساری دنیا کے اندر اپنا فیض پھیلایا ہوا ہے، اور وہاں کا عالم بھی یہ ہے کہ میں ساری دنیا میں گھوما ہوں، ساری دنیا کی سیریں کی ہیں، لیکن عوام الناس میں جتنا فائدہ تبلیغی جماعت کے ذریعے پہنچا، کوئی دوسری جماعت اس کا عشر عشیر بھی پیدا نہیں کر سکی، دسواں حصہ بھی پیدا نہیں کر سکی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس میں برکت دی، لیکن کیسے؟ کیا پہلے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی تنظیم قائم کی تھی؟ کیا کوئی امیر بنایا تھا؟ کوئی شوریٰ بنائی تھی؟ کوئی منصوبہ بنایا تھا؟ کوئی مرکز کی تعمیر کی تھی؟ کوئی پلاٹ خریدا تھا؟ اس اللہ کے بندے کے دل میں اللہ نے آگ پیدا کر دی۔ وہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سینے کی آگ! جو دل میں پیدا کر دی کہ مجھے مسلمانوں کو دین کی طرف لانا ہے۔ اکیلا آدمی!! اس وقت اکیلے ہی تھے، کیا

پہلے سے کوئی منصوبہ بنایا تھا؟ پہلے سے کوئی کمیٹی قائم کی تھی؟ ، پہلے سے کوئی رپورٹ بنائی تھی؟ پہلے سے کوئی بجٹ بنایا تھا؟ اکیلا انسان!! مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ، جس کے سینے میں آگ بھری ہوئی تھی۔ دین کی آگ!! امتِ مسلمہ کی فلاح و بہبود کی آگ! اس نے کھڑا کر دیا میوات میں جا کے۔ کوئی جماعت بنائے بغیر

میں تو تنہا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

اصل مقصود دعوت تھا، اصل مقصود اپنی اصلاح تھی، اصل مقصود دین کی طرف جانا تھا۔ دین کی طرف بلانا تھا، اس مقصود کو لے کر کھڑے ہو گئے، اس فکر میں نہیں پڑے کہ پہلے سے کوئی کمیٹی بنائیں، پہلے سے کوئی مجلس بنائیں، پہلے سے کوئی شوریٰ بنائیں، پہلے سے امیر متعین کریں، کچھ بھی نہیں!! کام شروع کر دیا۔ کام میں چونکہ اخلاص تھا، للّٰہیت تھی، سوائے اللہ کے کوئی اور مقصود نہیں تھا، شہرت مقصود نہیں تھی، نام و نمود مقصود نہیں تھا۔ یہ نہیں تھا کہ میرا نام ہو جائے ساری دنیا میں، ساری دنیا میرے قصیدے پڑھا کرے، میری تعریفیں کیا کرے، یہ نہیں تھا!! کیا تھا؟؟؟ دل میں تھا کہ اللہ کے سامنے میں جا کر جواب دہ ہوسکوں کہ یا اللہ آپ کے دین کو بچانے کے لیے جو میرے بس میں تھا میں نے کیا۔ یہ تھا مقصود یا کوئی اور تھا؟؟؟ یہ مقصود تھا! کوئی جماعت مقصود تھی؟؟ کوئی انجمن؟؟ کوئی تنظیم؟؟ کوئی سیاست؟ کوئی سیکریٹری؟ کوئی بجٹ؟ کچھ نہیں!! اکیلے کھڑے ہو گئے۔ لیکن عملاً ہوتا یہ ہے کہ پھر بعد میں امیر بھی بنا دیے جاتے ہیں، سیکریٹری بھی ہو جاتے ہیں، شوریٰ بھی بن جاتی ہے۔ لیکن وہ مقصود نہیں، تنظیم مقصود نہیں ہے، جیسے میں نے آپ کو بتایا کہ صحابہ کرامؓ کو جمع کر لیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، کوئی تنظیم قائم نہیں فرمائی، دارالعلوم دیوبند شروع ہو گیا استاد شاگرد سے، کوئی باقاعدہ تنظیم نہیں بنی، مقصود اصلی حاصل ہے۔

بسا اوقات خرابی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ تنظیم کو مقصد بنا لیا جائے، مقصد تھا کام!! اللہ کا دین!! اللہ کی رضا!! اخلاص کے ساتھ، مقصد وہ تھا، بعد میں تنظیم مقصد بن گئی، جو میری تنظیم کا ہے وہ میرا ہے، جو میری تنظیم سے باہر ہے وہ میرا نہیں ہے۔ یہ فتنہ پیدا ہو گیا۔ اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس فتنے نے مسلمان مسلمان کو لڑا دیا، نوبت قتل و غارت گری تک پہنچ گئی، مار پیٹ تک نوبت آ گئی۔ بنگلہ دیش میں جو واقعہ پیش آیا اس کو سن کر انسان خون کے آنسو روتا ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اگر آج حیات ہوتے تو اس واقعہ پر خون کے آنسو روتے، نہ ان کو امارت کی خواہش تھی، نہ ان کو شہرت کی خواہش تھی، نہ ان کو کسی اور تنظیم کی خواہش تھی، اگر تنظیم بٹ گئی، بٹنے دو!! ہم نے کوشش کی شروع میں کہ یہ بٹوارا نہ ہو۔ لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہوسکا۔ بٹوارا ہو گیا، اب بتاؤ کہ تنظیم مقصود

ہے یا کام مقصود ہے؟ بتاؤ!! کام مقصود ہے یا کسی خاص جماعت کے ساتھ ہونا مقصود ہے؟ اگر کام مقصود ہے تو خدا کے لیے تفریق مٹاؤ!! جو کوئی اللہ کا نام لے، جو کوئی اللہ کے دین کی طرف دعوت دے، اس کو خوش آمدید کہو! اس کو اپنا سمجھو! اس کے ساتھ محبت کا معاملہ کرو! اس کے ساتھ دشمنی مت رکھو! کیا اس بنا پر لڑو گے؟؟ حکم تو اِقرا کا ہے، کیا پڑھو؟ دین پڑھو! کوئی فضائل اعمال پڑھتا ہے وہ پڑھے، کوئی منتخب احادیث پڑھتا ہے وہ پڑھے، وہ بھی اِقرا یہ بھی اِقرا۔ اگر تھوڑا سا طریقے میں فرق ہے، اس کو گوارا کرلو۔

مسلمانوں کے درمیان تفریق وہ چیز ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر کبھی گوارا نہیں کی۔ اگر کوئی شخص مجھ سے دین سیکھنا چاہتا ہے، میں یہ چاہوں کہ یہ مجھ سے سیکھے، دوسرے کے پاس نہ جائے، یہ مولانا عارف بھائی کے پاس دو چار آدمی آتے ہیں دین سیکھنے کے لیے، میں یہ چاہوں، کہ ان کو یہاں سے ہٹاو، اس کو میرے پاس بھیجو۔ یہ بتاؤ! اخلاص ہوگا؟؟ یا ریا کاری ہوگی؟ اگر دین سیکھنے کے لیے ایک آدمی آرہا ہے اور ایک جماعت کے ذریعے دین سیکھ رہا ہے، تو اس سے آپ کو کیوں دشمنی ہے؟؟ اگر آپ کے ذریعے یہ ہوتا ہے تو وہ بھی آپ کا کام کر رہا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں حضرات تابعینؒ فرماتے ہیں کہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس ہم مسئلہ پوچھنے کے لیے جاتے تھے، تو کہتے تھے کہ بھئی وہ فلاں بڑا عالم ہے، اس سے پوچھو، وہاں جاتے تھے تو وہ کہتے تھے وہ فلاں بڑا عالم ہے اس سے جا کر پوچھ لو۔ بعض اوقات گھوم پھر کر پھر پہلے آدمی کے پاس آتے تھے کہ وہ تو سب یہی کہہ رہے ہیں کہ آپ بڑے عالم ہیں تو پھر ان کو مسئلہ بتاتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ دین کو بتانے کی جو فضیلت ہے وہ میرے بھائی کو حاصل ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ اس کا ثواب اس کو مل جائے۔

آج دنیا بن گئی ہے (Credit) کی، (Credit) لینا ہے، سہرا کس کے سر بندھے؟ کس کا نام لیا جائے کہ اس نے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے دیا؟ میں قسم سے کہتا ہوں کہ اگر مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات ہوتی کہ دنیا میں میرا نام ہو جائے کہ اس نے دنیا میں دعوت دین کا بیڑا اٹھایا تو ہرگز وہ دعوت شروع نہ کرتے، ان کے دل میں صرف اخلاص تھا۔ صرف للّٰہیت تھی، صرف یہ کام تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے دین کو کوئی فائدہ پہنچ جائے، آج ہم اس میں پڑ گئے کہ جو ہماری پسندیدہ تنظیم ہے، جو اس میں آتا ہے وہ میرا ہے، جو دوسری تنظیم میں جاتا ہے وہ میرا نہیں ہے، وہ میرا دشمن ہے، وہ میرا مخالف ہے۔ ضرورت پڑی تو اس سے لڑوں گا۔ ہاتھا پائی بھی کروں گا، لڑائی بھی کروں گا، اگر ضرورت پڑی قتل بھی کر دوں گا۔ **العیاذ باللہ** ۔ یہاں تک نوبت پہنچ جائے تو خوب سمجھ لو کہ شیطان نے اپنا راستہ بنا لیا ہے۔ جب یہاں تک راستہ پہنچ جائے

کہ مسلمان مسلمان کے خلاف قتل وقتال پر آمادہ ہو جائے، سمجھ لو کہ شیطان نے اس کے اندر راستہ بنالیا۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل تھی کہ وہ آپس میں قتل وقتال کے باوجود صحابی رہے، کیونکہ نیتیں دونوں کی خالص تھیں،لیکن ہمارے دور میں قتل وقتال مسلمان کے ساتھ؟ ایک آدمی دوسرے پر پتھر اٹھائے ، دوسرے پر تلوار اٹھائے ، دوسرے پر گولی چلائے ، دوسرے کو دھکا دے ، دوسرے کو گرائے ، یہ سوائے شیطان کے اور کسی کا کام نہیں ہوسکتا۔

میرے بھائیو،عزیزو! آج مجھے یہ بات کرنے کا آپ کے سامنے موقع مل گیا،میرے علم میں کچھ بات لائی گئی کہ الحمد للہ اجتماع میں دونوں قسم کے حضرات موجود ہیں ، یہ سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی کہ کوئی ایک ایسی جگہ ہوئی جہاں پر دونوں قسم کے حضرات جمع ہیں ،اللہ کے لیے جمع ہیں ،اللہ کے دین کے لیے جمع ہیں ،اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کے لیے جمع ہیں ،ان شاءاللہ اس پر برکتیں نازل ہوں گی ، رحمتیں نازل ہوں گی ۔اپنے دلوں سے یہ کینہ نکالیے! اپنے دلوں سے یہ بغض ختم کیجیے! یہ ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی کا سلسلہ بند کیجیے! اور سمجھیے کہ چلو ہم الگ ہو گئے ہیں لیکن جو اصل مقصود ہے اس میں ہم متحد ہیں ،وہ ہے:

اقرأ باسم ربك الذی خلق۔

میں نے آپ کا بہت سارا وقت لے لیا،لیکن بس خلاصہ یہ ہے کہ اقرأ کو مضبوطی سے پکڑلو! اقرأ کو مضبوطی سے پکڑلو! دین پڑھو، دین پڑھاؤ، دین پہنچاؤ،لوگوں کو دین کے قریب لاؤ، جو کوئی دوسرا دین کے قریب لا رہا ہے، اسے اپنا بھائی سمجھو! اسے اپنا حریف نہ سمجھو! اخوت کے ساتھ ،محبت کے ساتھ، پیار کے ساتھ زندگی گزارو!! حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ ،حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ،حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ،ان سب کے انوار و برکات ہیں جو اب تک چل رہے ہیں ۔

لہٰذا ان کو خدا کے لیے، آپس کی دشمنیوں ،عداوتوں ،لڑائیوں ،جھگڑوں سے برباد نہ کرنا۔جو اصل مقصود ہے وہ حاصل ہو جائے ، جو کوئی بھی دین کا کام کر رہا ہے اھلاً وسھلاً ،اس کو خوش آمدید کہو! اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے ۔ اللھم آمین۔ یا ارحم الراحمین۔

☆☆☆

آخری دورۂ تفسیر کے علماء سے

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کا آخری خطاب

گاہے گاہے بازخواں ایں قصہ پارینہ را

انتخاب: حافظ خرم شہزاد (گوجرانوالہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمدللہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد! یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالۃ و اللہ یعصمک من الناس ان اللہ لایھدی القوم الکافرین۔

ترجمہ: ''اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! جو تجھ پہ تیرے رب کی طرف سے اترا ہے، اسے پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا بیشک اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔''

اب سندیں دینے کا وقت آ گیا ہے لیکن سندیں دینے سے پہلے کچھ باتیں عرض کر دیتا ہوں، غور سے سنیں! ہر قوم کے پاس کوئی نہ کوئی قانون ہوتا ہے مگر اس وقت ساری دنیا میں سوائے مسلمانوں کے اور کسی کے پاس الہامی کتاب موجود نہیں ہے۔ اور مسلمانوں کے پاس جو دستور العمل ہے اس کا نام قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید اصل ہے اور حدیث شرح ہے، قرآن مجید سمجھنے کے لیے حدیث کی ضرورت ہے، قرآن مجید لاء (قانون) ہے اور حدیث شریف بائی لاز ہیں۔ اسی لیے تو میں کہا کرتا ہوں جو منکر حدیث ہے وہ منکر قرآن ہے اور جو منکر قرآن ہے وہ خارج از اسلام یعنی بے ایمان ہے۔

قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جس پر ساڑھے تیرہ سو سال گزرنے کے باوجود اس کے عجائبات ختم نہیں ہوئے اور اس میں جواہرات اتنے ہیں کہ ہر ایک کی رسائی نہیں ہو سکتی، ہر ایک کو بقدر ہمت حصہ ملتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے جتنا خدا کسی کو چاہتا ہے قرآن مجید کا فہم دیتا ہے، ذالک فضل اللہ یو تیہ من یشاء۔ یہ قرآن مجید پورا دینی و دنیوی دستور العمل ہے، اگر مسلمان صحیح معنوں میں اس پر عمل کریں تو دنیا میں کوئی قوم کسی حیثیت سے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی، مگر افسوس اب تو مسلمانوں کے دلوں سے اس کتابِ عزیز کی وقعت ہی نکل گئی ہے،

اور اس کا احساس بھی نہیں ہے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اور عام لوگوں کو تو رہنے دیجیے آج کل کے علماء جب مدارس سے فارغ ہوتے ہیں تو صرف، نحو، منطق، فلسفہ میں اپنی تمام عمریں صرف کر دیتے ہیں اور قرآن کے لیے بہت کم لوگوں کا خیال ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ عوام اس مبارک کتاب سے دور بھاگتے جا رہے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک پرانی کتاب ہے، واقعات ہیں اور بس! حالانکہ یہ قرآن مجید تمام اقوام اور زمانوں کے لیے ہے۔ آج کل چاہیے تو یہ کہ جو امراض مسلمانوں میں پیدا ہو چکے ہیں ان کا حل قرآن و حدیث میں تلاش کیا جائے اور واقعات خصوصی کو عام انداز میں پیش کیا جائے اور ان نقائص سے بچنے کی تلقین کی جائے جن کی وجہ سے سابقہ قوموں کو عذاب کا مزا چکھنا پڑا۔ جیسا کہ میں نے اب آپ کو قرآن مجید پڑھایا ہے۔ اس میں دینی و دنیاوی تمام مسائل موجود ہیں، معاشرتی، اقتصادی، سیاسی ہر قسم کے قوانین موجود ہیں، اسی لیے آج کل علماء کے لیے الاعتبار و التاویل ضروری ہے تا کہ قرآن مجید صرف ایک وظیفہ کی کتاب نہ رہ جائے۔

یہ ابتدائی تمام علوم خادم قرآن ہیں، مقصود بالذات نہیں ہیں۔ مقصود بالذات صرف قرآن مجید ہے، اور اس کی شرح حدیث شریف ہے۔ میں آپ سب کو نصیحت کرتا ہوں اپنی اپنی جگہ جا کر قرآنی علوم کی نشر و اشاعت کو اپنے ذمہ ضروری ٹھہرا لو اور یہی نصب العین حیات بنا لو! آپ حضرات نے اپنی عمر کے دس دس، بارہ بارہ سال منطق و فلسفہ پر صرف کر دیے ہیں مگر قرآن مجید میں غور و فکر نہیں کیا۔ اب جو چیزیں میں نے آپ کو بتلائی ہیں کیا پہلے آپ کو ان کا علم تھا؟ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ آپ حضرات کو یہاں آنے کی توفیق دی اور مجھے پڑھانے کی۔ میں نے دس سال حضرت (مولانا عبیداللہ) سندھیؒ سے قرآن مجید پڑھا، انھوں نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں اپنی تمام زندگی قرآن میں صرف کر دوں گا اور اسی کو اپنا نصب العین بناؤں گا۔

(ہفت روزہ ترجمانِ اسلام، لاہور۔ یکم جنوری ۱۹۷۱ء)

☆☆☆

مقالات ومضامین

درود شریف کی ایک علمی بحث

مولانا مفتی عبداللہ فردوس

حمد اس ذات کے لیے ہے جس نے حمد کو نعت سے اور نعت کو حمد سے پیوستہ کیا، درود وسلام ہو نبی پاک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے اصحاب اطہار پر اور تمام مسلمانوں پر۔

صلاۃ وسلام کے بارے میں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے سارے احکام یکساں درجہ کے نہیں ہیں، بعض کی حیثیت فرض یا واجب کی ہے، بعض کا مرتبہ مستحب کا ہے، بعض کی صورت حرام کی ہے، بعض کی ممانعت مکروہ ہے اور بہت سے امور کو ہماری صوابدید پر چھوڑا گیا ہے، یعنی مباح ہے، چاہے تو کریں، چاہے نہ کریں۔

جب ہم کتاب لکھتے ہیں یا دیکھتے ہیں تو لفظ اللہ کے ساتھ جلّ جلالُہ یا تبارک وتعالیٰ اور لفظ محمد کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ عنہم، تابعین، مجتہدین اور اولیائے کرام کے ناموں کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ اور نور اللہ مرقدہ، اساتذہ کرام کے لیے دامت فیوضہم وغیرہ الفاظ لکھتے ہیں۔

دورِ حاضر میں ہر چیز میں اختصار سے کام لیا جاتا ہے طلبہ کرام اور علمائے زمانہ نے لفظ اللہ کے ساتھ (ج) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ صلعم یا (ص) لکھنا ناپسند عمل ٹھہرایا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اختصارات میں اہل علم نے اختصار کے بجائے پورے الفاظ ذکر کرنے کی تاکید کی ہے۔

مخففات کا مجموعہ بہت وسیع ہے۔ ملکی وغیر ملکی، عالمی اور بین الاقوامی سطح پر استعمال ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ کام، سفر، کاروبار، مواصلات اور خط وکتابت میں مفید ہوتے ہیں۔ لیکن بعض مخففات جیسے ''تع'' جو تعالیٰ کا مخفف ہے، ؑل علیہ السلام کا مخفف ہے، ''ص/صلعم''، صلی اللہ علیہ وسلم کا مخفف ہے، ''رض''، رضی اللہ عنہ کا مخفف ہے، اور ''رح'' رحمہ اللہ کا مخفف ہے۔ ان تمام مخففات سے علمائے کرام نے منع فرمایا خصوصًا رب تعالیٰ کی تعظیم اور انبیا علیہم السلام پر درود وسلام کے الفاظ کی تخفیف سخت ناپسندیدہ و ناجائز ہے، اس لیے اس سہل پسندی سے بچنا ضروری ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلا شخص جس نے درود شریف کا اختصار کیا اس کا ہاتھ شل ہوگیا۔ (تدریب الراوی للسیوطی: ص 284)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے طیبہ کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' کی جگہ ؓ لکھنے کو علمائے کرام نے مکروہ اور باعث محرومی بتایا ہے، یوں ہی قدس سرہ کی جگہ ''ق,''اور رحمہ اللہ کی رح لکھنا بھی باعث محرومی ہے۔

آج کا دور سستی اور سہل پسندی کا ہے کمپیوٹر شیفٹ ڈبلیو پر مکمل درود شریف لکھا جاتا ہے اور اسی طرح معاملہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ درود شریف کے علاوہ تمام مندرج بالا الفاظ کے ساتھ کلمات تقدس لکھنا اور کہنا ادب اور مستحب ہے۔

لغت میں الفاظ مخففہ:

اختصار کے پیش نظر عرب دو کلموں سے ایک بنانے کو منحوت کہتے ہیں۔

اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب **أبو علي ظهير بن خطير الفارسي العماني** نے بنام **تنبيه البارعين على المنحوت من كلام العرب** لکھا، اس کا تذکرہ یاقوت الحموی نے اپنے کتاب معجم الادباء میں کیا ہے۔

اصلاح المنطق میں ابن سکیت کا قول ہے کہ جو حضرات بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم زیادہ پڑھتے تھے تو عرب ان کو ''بسملہ'' سے اور جو ''لا الہ الا اللہ'' زیادہ پڑھتے تھے تو عرب ان کو ''**هيلله**'' یا ''**هلل**'' سے اس طرح **لا حَوْلَ ولا قوَة إلابالله** کو **حَوْلقه** سے، **الحمدللہ** کو **حَمدله** سے، **سبحان اللہ** کو **سبْحَله** سے، **جعلت فداك** کو **جعْفَدة** سے تعبیر کرتے تھے۔

امام ثعالبی نے فقہ اللغۃ میں اس کے علاوہ چند الفاظ کی زیادتی کی ہے کہ **حيّ علی الصلاة، حيّ علی الفلاح** کو **حَيْعَلَة** سے، **أطال الله بقاك** کو **طلْبَقَة** سے، **أدام الله عزَّك** کو ''**دمعَزة**'' سے تعبیر کرتے تھے۔ حوقلۃ بتقدیم القاف کا طرز کمزور ہے اصل لفظ ''حولقۃ'' ہے۔ اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے بھی اپنے رسائل میں ایک رسالہ اس موضوع پر لکھا **احکام القنطرة فی احکام البسملة**۔ (مجموعۃ الرسائل للکنوی: 1 / 35 طبع **منشورات** حمد جام، ایران) اسی وجہ سے فقہائے کرام اکثر مقامات میں **تسن البسملة** ذکر کرتے ہیں مراد اس سے یہ ہوتا ہے کہ پورہ جملہ **بسم اللہ الرحمن الرحیم** پڑھنا مسنون ہے۔ لیکن لفظ جلالہ اور دُرود شریف کے لیے کوئی مخفف استعمال نہیں کیا ہے۔ جس دور سے ہم گزر رہے ہیں یہ سستی اور سہل پسندی کا دور ہے دینی و دنیاوی عزت و ادب، بول چال یا لکھنے پڑھنے کا جو بھی میدان ہو سہل پسندی نے اس پر اپنا اثر کر رکھا ہے۔ اب ہم صرف درود شریف لکھنے پڑھنے پر ایک نظر ڈالتے ہیں اور اس کا علمی جائزہ لیتے ہیں۔ اصول تو یہ ہے کہ جب ہم لکھتے ہیں یا پڑھتے ہیں تو کچھ لاحقوں اور سابقوں کے ساتھ ہمارا واسطہ پڑتا ہے، تین چار لفظوں کا انتخاب کر کے ہم آگے بڑھتے ہیں۔

(1) لفظ اللہ کے ساتھ جل جلالہٗ، تبارک وتعالیٰ اور عز اسمہٗ لکھتے بھی ہے اور پڑھتے بھی ہے۔

(2) لفظ محمد کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھنا لازمی ہے۔

(3) صحابہ کرام اور تابعین کے ساتھ ترضی **رضی اللہ تعالیٰ عنهم** لکھنے اور پڑھنے کا اہتمام ہم نے اپنے ذمے رکھا ہے۔

(4) امت کے محسنین علمائے کرام اور صوفیائے کرام کے اوّل میں الفاظ ادب اور لاحقوں کو رحمۃ اللہ اور نور اللہ مرقدہم کے ساتھ مزین کرتے ہیں۔ امام ابی محمد التمیمی رحمہ اللہ المتوفیٰ 488ھ نے لکھا ہے: **قبح بكم أن تستفيدوا منا، ثم لم تذكرونا ولا تترحموا علينا**۔ اسی طرح امام مکی بن ابی طالب الاندلسی المتوفیٰ 437ھ نے لکھا ہے:

فحق على كل ذي مروءة وديانة أفاد من كتابي هذا فائدة أو اقتبس منه علما أن يترحم على مؤلفه الذي اتعب فكره وبدنه في تاليفه وجمعه وأن يستغفر له۔ (مقدمۃ الشیخ عبدالفتاح ابوغدہ علی رسالۃ المسترشدین: 14-17)

(5) اور اپنے اساتذہ کرام کے ساتھ **دامت فیوضهم** اور **طال الله بقائهم** کو اپنے ادب کا فریضہ سمجھتے ہیں۔ تاریخ ہمیشہ قابل احترام شخصیات کے ناموں کے ساتھ جو بقید حیات ہے یا وفات پا چکے ہیں کچھ سابقے اور لاحقے (اعزازی کلمات) بولتے اور لکھتے ہیں، بڑوں کے لیے سابقوں اور لاحقوں کے ساتھ کلمات تعظیم و تجیل کے عجیب وغریب القاب استعمال کرتے ہیں، جو مدح نہیں بلکہ واقعہ ہے۔

درود شریف پڑھنے کا حکم:

درود شریف پڑھنے کا حکم کب نازل ہوا؟ ایک قول کے مطابق سنہ ۲ ہجری میں آیا، ایک اور قول میں یہ ہے کہ معراج کی رات میں اس کا حکم آیا۔ ابن ابی الصیفؒ نے بیان کیا ہے کہ ماہ شعبان حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا مہینہ ہے، کیوں کہ درود والی آیت اسی مہینہ میں نازل ہوئی۔ درود شریف کے بہت سے صیغے منقول ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعینہٖ منقول ہوں، بلکہ کسی بھی درست مفہوم پر مشتمل کلمات سے درود پڑھ سکتے ہیں اور اس سے حکم کی تعمیل اور درود وسلام پڑھنے کا ثواب حاصل ہو جاتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ جو الفاظ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں وہ زیادہ بابرکت و باعث اجر ہیں۔

فرض: زندگی میں ایک مرتبہ دُرود شریف پڑھنا فرض ہے، جس طرح کہ کلمہ ایمان یعنی پورا کلمہ پڑھنا فرض ہے۔

واجب: جب کسی مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہو تو پہلی مرتبہ پڑھنا واجب ہے۔
مکروہ تحریمی: دنیاوی مفاد کے حصول کے لیے، جیسے سودا نافذ کرنے کے لیے درود شریف پڑھنا۔
سنّت: نماز کے اندر قعدہ اخیر میں، نماز جنازہ میں، نوافل کے پہلے قعدہ میں۔
مستحب: ہر وقت درود پڑھنا مستحب ہے جب کہ اُس کے پڑھنے سے کوئی مانع نہ ہو۔
مکروہ: نماز میں قعدہ اخیرہ اور دعائے قنوت کے بعد پڑھنے کے علاوہ مکروہ ہے۔
(الدر المختار: 1/518)

محدث ابن العربی المتوفی 543ھ نے ترمذی شریف کی شرح عارضۃ الاحوذی میں لکھا ہے کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام عمر میں ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا فرض کے درجہ میں ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ کے نزدیک جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کا ذکر مبارک آئے تو درود پڑھنا واجب ہے خواہ ایک مجلس میں کتنی بار بھی مکرر ہو۔ بالکل نہ پڑھنے سے ذمہ پر باقی رہتا ہے۔ کیوں کہ یہ حق العبد ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کلمات تعظیم نہ پڑھنے سے قضا نہیں ہوتا کیوں کہ تمام اوقات ذکر اللہ کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان بڑی نرالی ہے کہ اگر شاہان دنیا کی طرح اس کے خطاب کے لیے مناسب شان القاب وآداب کی قید ہوتی تو عمریں تمام ہو جاتیں اور ایک بار بھی نام پاک لینے کی نوبت نہ آتی القاب وآداب ہی کبھی ختم نہ ہوتے لوگ نام لینے کے لیے ترس جاتے، لیکن اللہ اکبر! کہ اپنے نام لینے کے لیے کسی قسم کی قید نہیں لگائی۔

ہاں اللہ تعالیٰ کا نام ایک مجلس میں بار بار لیا جائے تو اس کے ساتھ کلمات تعظیم ایک مرتبہ کافی ہے اور بھول جانے کی صورت میں ذمہ پر لازم نہیں رہے گا۔

اذان واقامت، کلمہ شہادت میں یا جب صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کے وقت یا رسول اللہ کہتے تو ان کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم منقول نہیں ہے۔

دُرود وسلام صیغہ خبر اور امر دونوں سے درست ہیں لیکن افضل یہ ہے کہ صیغہ امر کے ساتھ ہو۔

خطبہ میں پہلی صلاۃ وسلام والی آیت کو شامل کرنا:

امام اصمعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود مہدی ابو عبداللہ محمد بن منصور 127-169ھ سے بصرہ میں منبر پر ایک خطبہ سنا ہے کہ اس میں اس نے بیان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس کام کے لیے حکم فرمایا ہے جو انھوں نے خود اپنے ذات اور فرشتوں کے لیے پسند فرمایا ہے: إن الله وملائكته يصلون على النبي

اس سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ جس طرح اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دیگر رسولوں میں فضیلت دی ہے اسی طرح تم کو تمام امتوں میں افضل بنایا ہے۔

میں ''علامہ سیوطی'' کہتا ہوں کہ سب سے پہلے مہدی نے اس آیت کو خطبہ میں بیان کیا تھا اس کے بعد تمام خطیبوں نے اپنے خطبوں میں اس کو ضروری قرار دے دیا۔(تاریخ الخلفاء للسیوطی ص: 331، تحقیق ابراہیم صالح ،سنہ طباعت 1434، دار الصادر بیروت)

درودِ پاک پڑھنا افضل ترین اعمال میں سے ہے اور ماہِ شعبان المعظم کو درودِ پاک پڑھنے کا مہینہ کہا گیا ہے، چنانچہ امام قَسطَلانی نقل فرماتے ہیں: بیشک شعبان کا مہینہ نبیِّ پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا مہینہ ہے،اسی طرح شعبان کے مہینہ کو شہر القراء کہا جاتا ہے۔

درود شریف کی اہمیت اور فضیلت:

درود شریف کوئی عام جملہ یا تکیہ کلام نہیں یہ عشق کا آبگینہ ہے۔اہل علم اور تصوف کا تو یہ وظیفہ ہے اور عام مسلمانوں کے لیے اظہار محبت کا ذریعہ ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنا ایک مقبول ترین عمل ہے۔ یہ سنت الٰہیہ ہے اور اسلام کی سنن میں ہے۔

جو لازوال، لافانی اور تغیر کے اثرات سے محفوظ ہے۔کیوں کہ نہ خدا کی ذات کے لیے فنا ہے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کی انتہا۔اللہ تعالیٰ نہ صرف خود اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجتا ہے بلکہ اس نے فرشتوں اور اہل ایمان کو بھی پابند فرما دیا ہے کہ سب میرے محبوب پر درود وسلام بھیجیں۔اسی طرح مستند احادیث سے درود وسلام کے فضائل ثابت ہیں۔لیکن درود وہ پڑھنا چاہیے جو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلایا وہ بہتر ہے اور ان میں جامع دُرود ابراہیمی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''روضہ'' میں تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ قسم کھا بیٹھے کہ میں سب سے افضل دُرود پڑھوں گا تو اس دُرود کے پڑھنے سے قسم پوری ہو جائے گی۔حصن حصین کے حاشیہ پر حرز ثمین سے نقل کیا ہے کہ یہ دُرود شریف سب سے زیادہ صحیح ہے اور سب سے زیادہ افضل ہے نماز میں اور بغیر نماز کے اسی کا اہتمام کرنا چاہیے۔(فضائل دُرود شریف ص ۳۷ طبع مکتبہ مدنیہ، لاہور)

آج کل لوگوں نے بے شمار نام نہاد درود بنائے اور نئے نئے طریقے ایجاد کئے یہاں تک کہ بعض حضرات نے یہ

سلسلہ شروع کیا ہے کہ ایک صاحب درودشریف کے مختلف صیغے کچھ آواز سے پڑھتے ہیں اور باقی حضرات خاموشی سے بیٹھ کر سنتے ہیں ۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ۔قرآن پاک کا سماع تو منقول اور ثابت ہے، دیگر اذکار اور درود شریف کے سماع کو معمول بنانا منقول نہیں ۔ خاموش بیٹھ کر سننے کے بجائے دوسرے حضرات متفرق طور پر اپنے اپنے ذکر میں مشغول رہیں تو درست اور سنت طریقہ پر رہیں ۔ (فقہی مضامین: 151، ڈاکٹر عبدالواحد رحمہ اللہ، مجلس نشریات، کراچی، طبع 2006ء)

جن کا شریعت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے:

شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ صرف درودشریف ایسی عبادت ہے جس میں منہ سے بیک وقت اللہ تعالیٰ کا نام بھی نکلتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی نکلتا ہے، دونوں نام ایک ساتھ نکلتے ہیں ، درودشریف کے علاوہ اور کوئی عبادت ایسی نہیں جس میں دونوں نام ساتھ ساتھ نکلیں ۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ یہاں دوعنوانوں کی وضاحت کے لیے آپ کو پڑھنے کی زحمت دیتا ہوں ۔

ممانعت نمبر ایک: علامہ شاہ انور شاہ کشمیری اور حضرت مدنی رحمہا اللہ طالب علم کو اس سے روک دیتے تھے اور فرماتے تھے: تم سے زیادہ علم وادب والے صحابہ کرام تھے ان سے ایسا منقول نہیں۔ اور عام کاتبوں نے صفات کے ساتھ صلعم لکھ دیتے ہیں یہ مناسب نہیں ہے لہذا مذکورہ بالا امور کو سمجھنا ضروری ہے۔

جہاں عبارت وحکایت میں قراتِ حدیث کے وقت لفظ ''یارسول اللہ'' یا ''یامحمد'' آئے وہاں صلی اللہ علیہ وسلم یا علیہ السّلام لکھنا یا کہنا بے محل ہے، صحابہ کرام سے ایسا منقول نہیں ہے۔ اسی طرح اذان واقامت میں کلمہ شہادت میں صلی اللہ نہ پڑھا جائے۔ اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت کے دوران لفظ''محمد یا احمد'' آجائے تو تلاوت جاری رکھے اور نامِ گرامی پر درودشریف نہ پڑھے بلکہ تلاوت کے اختتام میں دُرودشریف پڑھے یہ افضل طریقہ ہے۔

ممانعت نمبر دوم: خدانہ کرے اگر حالت نزع کے وقت کسی نے کلمہ کفر پڑھ لیا تو وہ کافر نہیں ہوتا ہے تو اس کلمہ تلقین میں شہادت اور محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے کیوں کہ لا الہ الا اللہ کا سابقہ شہادۃ اور لاحقہ محمد رسول اللہ دونوں کا ایمان اور ذکر سے مشابہت ہے اور ذکر کا ہونا تو پہلے معلوم ہو چکا۔ تو مناسب ہے کہ اس کے ساتھ محمد رسول اللہ نہ ملائے ۔ میت کو جو تلقین مسنون ہے اس میں محمد رسول اللہ کا اضافہ درست ہے یا نہیں؟

مرتے وقت کلمہ کی تلقین:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں

کولا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔

فائدہ: مرنے والے کے سامنے قریب ہوکر لا الہ الا اللہ ہلکی آواز سے پڑھے۔ بسا اوقات غفلت کی وجہ سے ذہول ہوجاتا ہے اس لیے پڑھ کر یاد دلادے اسے پڑھنے کو نہ کہے، جب معلوم ہوجائے کہ پڑھ لیا ہے تو پھر دوبارہ نہ کہے۔ حضرت جعفر بن عبداللہ کی مرفوع روایت میں تلقین کے یہ کلمات ہیں:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

ترجمہ: نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے جو بردبار کریم ہے، پاک ہے اللہ جو بلند بالا عرش کا رب ہے تمام تعریف اللہ کے لیے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

مرتے وقت جو کلمہ شہادت پڑھا جاتا ہے وہ ذکر والا کلمہ ہے ایمان والا کلمہ مراد نہیں ہے۔ کیوں کہ حدیث شریف میں افضلُ الذکر فرمایا۔ جب یہ ذکر والا کلمہ ٹھہرایا تو اس کے ساتھ محمد رسول اللہ مناسب نہیں ہے۔ لہٰذا دُعاوں کے آخر میں (کہ موت کے وقت ہماری زبان پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول جاری نصیب فرمائیں) قابل غور ہے۔ ہاں فضیلت حاصل کرنے کی جذبہ اور ہے۔

مؤمن کو تو آخر وقت میں کلمہ کی تلقین کی جائے گی اور کافر کو اسلام اور ایمان لانے کی تلقین کی جائے گی۔ یعنی پورے کلمہ شہادت کی تعلیم کی جائے گی۔ المجموع شرح مہذب میں ہے کہ میت کو صرف لا الٰہ الّا اللہ کی تلقین کی جائے گی اور اس کو جمہور علما کا قول قرار دیا اور حدیث کا ظاہر بھی یہی ہے۔ جب کلمہ ذکر مراد ہوا اور کلمہ ایمان مراد نہیں ہے تو قیامت میں کلمہ ایمان کو تو کلمہ کفر کے مقابلہ میں ہی وزن کیا جاسکتا ہے۔ (انوار الباری: 19/ 300

امام ابوزُرعہ کی ولادت ۲۰۰ھ میں ہوئی اور ذی الحجہ کی آخری تاریخ ۲۶۴ھ کو انتقال کیا۔ ان کے انتقال کا بھی عجیب واقعہ ہے۔ ابوجعفر تُستَری فرماتے ہیں کہ ہم جان کنی کے وقت ان کے پاس حاضر ہوئے، اس وقت ابوحاتم، محمد بن مسلم، منذر بن شاذان اور عُلما کی ایک جماعت وہاں موجود تھی۔ ان لوگوں کو تلقینِ میت کی حدیث کا خیال آیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ''اپنے مُردوں کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو۔''

مگر امام ابوزُرعہ سے شرمارہے تھے اور ان کو تلقین کی ہمت نہ ہورہی تھی۔ آخر سب نے سوچ کر یہ راہ نکالی کہ تلقین کی حدیث کا مذاکرہ کرنا چاہیے۔ چناں چہ محمد بن مسلم نے اِبتدا کی:

حَدَّثَنَا الضَّحَّاکُ بْنُ مَخْلَدٍ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْدِ بْنِ جَعْفَرٍ

اور اتنا کہہ کر رُک گئے۔ باقی حضرات نے بھی خاموشی اختیار کی، اس پر امام ابوزُرعہ نے اسی جان کنی کے عالم

میں روایت کرنا شروع کیا:

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، حَدَّثَنَا أَبُوْ عَاصِمٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيْدِ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ صَالِحِ بْنِ أَبِيْ عَرِيْبٍ، عَنْ كَثِيْرِ بْنِ مُرَّةَ الْحَضْرَمِيِّ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهٖ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔ اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ روح بدن سے عالمِ قدسی کی طرف پرواز کر گیا۔

پوری حدیث یوں ہے: مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهٖ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنةَ۔

یعنی جس کی زبان سے آخر الفاظ ''لا الٰہ الا اللہ'' نکلے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ سبحان اللہ! کیا خوش نصیب تھے اور حدیث شریف سے ان سعید روحوں کو کیسا گہرا تعلق تھا کہ دَمِ واپسی تک علم وعمل کا ساتھ رہا۔

تلقین کس چیز کی ہونی چاہیے:

تلقین صرف توحید کی گواہی دینے کی یا شہادتین یعنی توحید ورسالت کی گواہی دینے کی کرنی چاہیے، اِس بارے میں دو قول ہیں:

(1) پہلا قول یہ ہے کہ شہادتین یعنی مکمل کلمہ کی تلقین کرنی چاہیے۔

(2) دوسرا قول یہ ہے کہ صرف ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ'' کی تلقین کافی ہے۔ اور یہی قول راجح ہے۔ البتہ اگر کافر ہو تو اُس کو دونوں شہادتوں کی تلقین کرنا ضروری ہے۔

فقہائے کرام کے عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ تلقین مستحب ہے اور استحباب پر اجماع ہے۔

استغفار یا درود شریف میں کثرت کس کی جائے:

حضرت شاہ انور شاہ کشمیریؒ اکثر فرمایا کرتے تھے اور معارف السنن میں بھی ہے کہ عفوِ معاصی کے لیے تہلیل واستغفار کی کثرت کرنی چاہیے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے لیے درود شریف کی کثرت کی جائے۔

ایک صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کی میں آپ پر کتنا دُرود پڑھوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **ماشئت ان زدتَ فهو خير لک** ۔ جتنا چاہو، اگر تم اس سے زیادہ پڑھو گے تو یہ تمھارے حق میں بہتر ہوگا۔ اخیر میں پوچھا اگر میں ہر وقت دُرود پڑھوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **اذا تكفى همک ويغفر ذنبک** ۔ تب تمھیں تمھاری پریشانی سے بچا لیا جائے گا اور تمھارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ **إن اولى الناس بي يومَ القيامة اكثرهم علي صلاة**۔

اکثر کی مقدار کم از کم تین سو مرتبہ ہے۔ (فضائل درود شریف 695 بحوالہ خیر الفتاویٰ: 3/105)

کثرت دُرود شریف ولایت کے باب میں اکسیر ہے۔

حضرت مولانا گنگوہی سے ایک شخص نے سوال کیا کہ میں پہلے درود شریف پڑھا کروں یا پہلے استغفار کروں؟ آپ نے فرمایا کہ تم پہلے کپڑے دھوکر بعد میں عطر لگاتے ہو یا پہلے عطر لگا کر پھر کپڑے دھوتے ہو؟ اس نے کہا کہ پہلے کپڑے دھوتے ہیں پھر عطر لگاتے ہیں تو فرمایا کہ پہلے استغفار اور توبہ کر کے اپنی روح کو نجاستِ معصیت سے پاک صاف کرلو پھر درود شریف کا عطر لگایا کرو۔

قارئین حضرات! میرے ساتھ اس عمل میں شریک ہوجایئے کہ "میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ میں عاشق رسول ہوں" میں چاہتا ہوں کہ اتنی بار درود پڑھوں کہ پیدائش سے لے کر وفات تک کے عرصے پر تقسیم کردیا جائے تو ہر دن میں تین سو بار دُرود شریف آجائے۔ اگرچہ یہ مشکل ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والہانہ محبت اور اپنے شفاعت کے واسطے مشکل نہیں ہے۔ اسلام کی سنتوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود شریف پڑھنا ہے کیوں کہ کثرت درود شفاعت کو واجب کرتا ہے۔ (شرعة الإسلام: ص95، دار البشائر الإسلامیه)

اس انمول موتی سے محروم نہ رہنا بلکہ یہ پیغام ہر گھر تک، ہر در تک اور ہر دل تک پہنچایئے۔

خلاصہ:

ہر کام کو اگر اس کے آداب کے ساتھ کیا جائے تو اس کام اور کلام میں خوبی آجاتی ہیں۔ درود شریف کے بھی چند آداب ہیں، کچھ کا تعلق دُرود شریف لکھنے کے ساتھ ہے اور کچھ کا تعلق درود پڑھنے کے ساتھ ہے۔ درود شریف کے لکھنے کے آداب میں سے یہ ہے کہ درود شریف کو مکمل اور واضح لکھا جائے، جس طرح زبان سے ذکر مبارک کرتے وقت زبانی درود وسلام واجب ہے، اسی طرح قلم سے لکھتے وقت درود وسلام کا قلم سے لکھنا بھی واجب ہے، اور جو لوگ حروف کا اختصار کر کے "صلعم" یا صرف (ص) لکھ دیتے ہیں، یہ کافی نہیں بلکہ پورا درود وسلام لکھنا چاہیے۔

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَهُ   إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيعُ

(ترجمہ: اگر تیری محبت سچی ہوتی تو محبوب کی اطاعت کرتا، بے شک محبت کرنے والا اپنے محبوب کا اطاعت گزار ہوتا ہے۔)

یارب صل وسلم دائماً ابدا   علیٰ حبیبک خیر الخلق کلهم

☆☆☆

مقالات ومضامین

علمائے کبار کے اقوال کی تشریح میں احتیاط کی ضرورت

مولانا بدرالحسن القاسمی (کویت)

صحافت اور خطابت دونوں میں تاثیر قوت اور زور پیدا کرنے کیلئے استعارہ، تشبیہ اور مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے اور وہی خطیب زیادہ کامیاب سمجھا جاتا ہے جس میں اپنی بات کو زیادہ موثر انداز سے کہنے کی صلاحیت ہو، اسی طرح وہی صحافی لوگوں کے دل و دماغ پر چھا جاتا ہے جو واقعات کو محسوس اور متحرک شکل میں پیش کرنے کا فن جانتا ہو۔ علمائے کبار اور صالحین امت کی زندگی ہر طرح کے تکلف اور تصنع سے خالی لیکن سادگی کے باوجود پرکار و دلکش اور موثر ہوتی ہے۔ خاص طور پر جن پر علمی میدان میں امامت کے ساتھ آخرت کی فکر بھی غالب ہو ان کی کیفیات واحوال کو سامنے رکھ کر ہی انکے اقوال کی تشریح کرنی چاہیے۔

علامہ محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ عام قسم کے مولوی اور عالم دین نہیں تھے بلکہ ایک دائرہ علم، ایک متحرک کتبخانہ اور تمام عقلی و نقلی علوم کے ماہر انسان اور خدا کی قدرت کی خاص نشانی تھے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے بقول

''ان کی مثال اس سمندر کی تھی جس کی اوپر کی سطح پرسکون اور اسکی گہرائیاں بیش قیمت موتیوں سے معمور ہوں۔''

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بقول: ''ان کے ایک جملہ کی شرح میں پورا رسالہ لکھا جا سکتا ہے'' اور یہ کہ ''مسلمانوں میں ان کا وجود اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے۔''

حضرت شاہ صاحبؒ کا ایک جملہ ان کے شاگرد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے حوالہ سے نقل کیا جاتا ہے اور ہر جماعت والے حاشیہ آرائی کے ساتھ اپنی مرضی کے مطابق اس کی تشریح کرتے ہیں اور ان کی اصل عبارت اور اسکے پس منظر کو نظر انداز کر کے فقہ حنفی کے خلاف غلط تاثر دینے کی کوشش کرنے لگتے ہیں واقعہ صرف اتنا تھا کہ مفتی محمد شفیع صاحب فجر کی نماز سے پہلے حضرت شاہ صاحب کے کمرے میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ شاہ صاحب زار و قطار رو رہے ہیں وجہ پوچھی تو فرمایا کہ:

''احساس یہ ہو رہا ہے کہ ہم نے اپنی زندگی ضائع کردی، تیس سال حدیث سے فقہ حنفی کے دلائل فراہم کرنے میں لگا دیے جبکہ امت کفر والحاد کے دہانہ پر ہے اور قادیانیت مسلمانوں کا دین وایمان سلب کر رہی ہے۔''

مفتی صاحب نے تسکین کے کلمات کہے اور کہا کہ: ''حضرت آپ نے تو ساری زندگی کتاب وسنت کی تعلیم میں صرف کی ہے آپ نے زندگی کہاں برباد کی آپ کے تو سارے اعمال ہی اللہ تعالی کی رضا وخوشنودی کے لئے ہیں۔''

شاہ صاحب کے بعض دوسرے شاگردوں نے شاہ صاحب کا جملہ اس طرح نقل کیا ہے:

''ہم نے اپنی عمر کے تیس سال یہ دیکھنے کے لئے صرف کردیے کہ فقہ حنفی حدیث کے مطابق ہے یا نہیں ہے؟ سو ہم اپنی اس تیس سالہ محنت کے بعد قطعاً مطمئن ہیں کہ جہاں جس درجہ کی حدیث دوسرے فقہاء کے پاس ہے اس درجہ کی حدیث امام ابوحنیفہ کے پاس بھی ہے اور جہاں حدیث نہ ہونے کی بنا پر امام اعظم نے مسئلہ کی بنیاد قیاس و اجتہاد پر رکھی ہے وہاں دوسروں کے پاس بھی حدیث نہیں ہے۔''

''ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا کہ:

''میں اپنی طویل کاوشوں کے نتیجہ میں مطمئن ہوں کہ فقہ حنفی مضبوط احادیث سے مؤید ہے صرف دو مسئلوں میں ان کا مستدل فن حدیث کے اعتبار سے ضعیف ہے۔'' (نقش دوام ص175)

جہاں تک اس واقعہ کا تعلق ہے جس کا ذکر مفتی محمد شفیع صاحب کے رسالہ وحدت امت میں کیا گیا ہے اس واقعہ سے انکار نہیں لیکن اسے جس طرح نقل کیا جارہا ہے اور اس پر جیسی کی حاشیہ آرائی کی جارہی ہے اور خاص فقہ حنفی کے بارے میں اس کو جیسا مفہوم دینے کی کوشش کی جارہی ہے کہ اس سے تو یہ تاثر ہوتا ہے کہ جیسے حضرت شاہ صاحب نے کسی غلطی کا ارتکاب کیا ہو اور اس پر وہ معذرت خواہ ہوں اور اپنے عمل پر ندامت کا اظہار کررہے ہوں یہ بالکل صحیح موقف نہیں ہے۔ اس میں تو صرف حضرت شاہ صاحب کے مقام کی ہی نہیں غیر شعوری طور پر تمام ائمہ دین کی توہین کا پہلو نکلتا ہے اور یہ ان کے احوال و کیفیات سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ صحیح بخاری کے صرف فقہی ابواب ہی نہیں پڑھاتے تھے بلکہ بدء الوحی سے لے کر کتاب الایمان؛ کتاب العلم؛ کتاب بدء الخلق؛ کتاب المناقب کتاب المغازی؛ کتاب التفسیر؛ کتاب الدعوات؛ کتاب الادب؛ کتاب التوحید سبھی پڑھاتے تھے۔ جن میں ایک مذہب کو دوسرے پر ترجیح دینے کی نوبت ہی نہیں آتی اس لیے ان کی درسی تقاریر یا ان کے امالی مختلف علوم وفنون کا خزانہ ہیں پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ حدیث کی دعوتی روح نکل جانے کا اندیشہ ہے؟ شاہ صاحب کی شرح حدیث اسی انداز کی ہے جیسی دوسرے شارحین حدیث کی ہے حافظ ابن حجر عسقلانی فقہی مسائل میں فقہ شافعی کی تائید کرتے ہیں امام ابن بطال فقہ مالکی کو ترجیح دیتے ہیں یہی حال دوسرے محدثین اور بخاری و مسلم کے شارحین کا ہے اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے امام نووی ابن الملقن ابوبکر ابن العربی المالکی سبھی یہی کرتے آئے ہیں جو جو علامہ انور شاہ صاحب نے کیا۔

جہانتک آخری عمر میں کفر والحاد کے مقابلہ کی زیادہ اہمیت اور قادیانیت جیسے فتنہ کی سرکوبی کی شدید ضرورت کے احساس کی بات ہے جس کا مشاہدہ مفتی محمد شفیع صاحب نے کیا تو یہ شاہ صاحب کی عظمت کی دلیل اور خشیت و انابت

کی علامت ہے، یہ وہ احساس ہے جو آپ سے پہلے عظیم محدث ومجاھد عبداللہ بن المبارک کو بھی ہوا تھا جب انہوں نے اپنے زمانہ کے ایک صاحب دل عبداللہ بن حوشب الطائفی سے مواعظ ونصائح کے ذکر کے دوران فرمایا تھا:

یا ابا محمد لقد ضیعنا ایامنا فی الایلاء والظهار و ترکنا هذا العلم (مقدمۃ الجرح والتعدیل ص279)

''اے ابومحمد ہم نے تو اپنی زندگی ایلاء اور ظہار کے مسائل میں ضائع کر دی اور قلب میں رقت پیدا کرنے والے ان مواعظ والے علم کی طرف توجہ نہیں دی۔''

اب غور فرمایئے کہ ایلاء اور ظہار کے مسائل تو قرآن میں صراحۃ مذکور ہیں تو کیا ان میں مشغول ہونا زندگی کا ضائع کرنا ہے؟ یہ درحقیقت کمال تقوی اور خوف آخرت کا اثر ہے کہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی اپنی کوتاہی کا احساس ان پر غالب رہتا ہے، چنانچہ جس طرح کا احساس امام عبداللہ بن المبارک کو ہوا تھا اسی طرح کا احساس امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری کو بھی ہوا اور ان پر گریہ کی کیفیت طاری ہوگئی اور انہوں نے وہ ارشاد فرمایا جو مفتی محمد شفیع صاحب نے نقل کیا ہے۔ پھر ہر کوئی اس پر اپنے انداز اور فکری رجحان کے مطابق حاشیہ آرائی کرنے لگا۔ اس بارے میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ: ''سخن فہم نئی دلبرا خطا ایں جاست''

فقہ حنفی کے دلائل احادیث میں تلاش کرنا اسی طرح عین دین ہے جس طرح براہ راست شریعت پر عمل کرنے کے لیے قرآن وحدیث پر غور وخوض کرنا اور ان سے مسائل مستنبط کرنے کیلئے متعینہ اصول وضوابط کے مطابق استدلال کرنا اب یہ تو اپنی پسند لیاقت اور حوصلہ کی بات ہے کہ آپ امام ابوحنیفہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی اتباع کرتے اور انکے استنباط کردہ مسائل سے اتفاق کرتے ہیں یا بعد کی کسی مشہور علمی شخصیت کو اپنا مقتدا بنا لیتے اور انکے راستے پر چلنے لگتے ہیں مثال کے طور پر مشہور عالم اور مصنف نواب صدیق حسن خاں صاحب نے خلع فسخ نکاح ہے یا طلاق ہے؟ اس مسئلہ میں علامہ شوکانی کی رائے میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ تین دفعہ اپنی رائے تبدیل کی ضرورت تو یہاں بھی اسی بات کی تھی کہ دلائل کی روشنی میں وہ قول اختیار کیا جائے جو کتاب وسنت سے زیادہ قریب ہو لیکن وہ اپنی کتاب ''التاج المکلل'' میں امام سخاوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وغلبت عليه محبة شيخه الحافظ ابن حجر فصار لايخرج عن غالب اقواله كما غلبت علي ابن القيم محبة شيخه ابن تيمية وعلي الهيثمي محبة شيخه العراقي وعلى محبة شيخي العلامة الشوكاني (التاج المکلل ص 440)

یعنی بعض لوگوں پر بعض علماء کی محبت غالب ہوجاتی ہے چنانچہ وہ اکثر مسائل میں انہیں کی رائے پر عمل کرنے لگتے ہیں امام سخاوی پر اپنے استاذ حافظ ابن حجر کی محبت غالب تھی تو اکثر انہیں کی رائے کو اختیار کرتے ہیں اور انکے اقوال

سے باہر نہیں نکلتے علامہ ابن القیم پر امام ابن تیمیہ کی محبت غالب تھی اور الھیثمی پر اپنے شیخ العراقی کی اور مجھ پر اپنے شیخ امام شوکانی کی محبت غالب ہے۔

غرض یہ کہ ہر قول کا اپنا خاص موقع ومحل ہوتا ہے:

داند آنکس کہ فصاحت بکلامے دارد

ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد

لہذا کسی کے قول کی وہی تشریح اور توجیہ صحیح اور معتبر سمجھی جائیگی جو اسکے سیاق وسباق موقع ومحل اور قائل کی زندگی سے مطابقت رکھتی ہو ورنہ **توجیه القول بما لا یرضی به القائل** کا مصداق اور نا قابل قبول ہوگی۔

نہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب نے زندگی ضائع کی اور نہ عبداللہ بن المبارک کی زندگی ضائع اور برباد ہوئی۔ دونوں کا شمار ائمہ دین اور کبار محدثین میں ہوتا ہے اور انہوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ کتاب وسنت کی خدمت اور دین کی سربلندی کے لیے صرف کیا ایسے بلند پایہ علماء کہ سکتے ہیں کہ: جو عمر رائیگاں ہے وہی رائیگاں نہیں۔

فقہی مسائل کتاب وسنت کے عملی احکام کا ہی خلاصہ اور دین کا اہم ترین حصہ ہیں حلال وحرام کی تمیز فقہی احکام کے ذریعہ ہی ہوتی ہے اور انکی پابندی ہی سے دین کا نظام قائم ہوسکتا ہے۔ وعظ وتلقین اور دوسری دعوتی سرگرمیاں ان احکام کا لوگوں کو پابند کرنے کے لیے ہی ہوتی ہیں اس لیے فقہاء ومحدثین کے کام کو اسی نظر سے دیکھنا چاہیے۔

استاذ کے ساتھ حسن سلوک کرنا، بہترین اخلاقی برتاؤ کرنا ہر موقع پر انتہائی اہم ہے۔ یہی فلاح وکامیابی کی ضمانت ہے۔ استاذ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کے ساتھ آداب واخلاق سے پیش آئے۔ علامہ مناوی کہتے ہیں:

''امام برہان بقاعی سے کسی نے سبق پڑھنے کی اجازت مانگی انہوں نے اجازت دی، جب وہ پڑھنے آئے تو چار زانو ہوکر بیٹھ گئے، امام بقاعی نے کہا جاؤ: تم پہلے ادب سیکھ کر آؤ، آپ کو علم حاصل کرنے سے پہلے ادب کی ضرورت ہے۔'' (فیض القدیر: ۱/ 225/1)

امام زرنوجی رحمہ اللہ استاذ کے ادب واحترام کے بارے میں لکھتے ہیں:

''استاذ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ ان کی اولاد اور ان کے متعلقین کے ساتھ آداب واحترام کا رویہ رکھا جائے، ہمارے استاذ یہ واقعہ سناتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے کبار اساتذہ میں سے ایک استاذ درس کے دوران کھڑے ہوجاتے۔ شاگرد پوچھتے کہ سبق کے دوراں کیوں کھڑے ہوتے ہو؟ کہا کہ گلی میں میرے استاذ کا بیٹا بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے، جب مسجد کے دروازے کے سامنے گزرتا ہے میں اپنے استاذ کی عظمت کی وجہ سے ان کے لیے بھی احتراماً کھڑا ہوتا ہوں۔'' (تعلیم المتعلم، ص: ۴۸)

قدرتی آفات اور ہماری ذمہ داریاں

مولانا رفیع الدین حنیف قاسمی

آفات کیوں آتی ہیں؟

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالی کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔اس لیے یہ سوال یہ آفات وبلیات،طوفان وسیلاب کون لایا ہے؟ بہ ظاہر غیر ضروری معلوم ہوتا ہے؛لیکن اس کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ بعض دانشوروں کی طرف سے کھلے بندوں یہ کہا جا رہا ہے کہ اس طوفان اور سیلاب کو اللہ تعالی کی طرف سے تنبیہ یا سزا سمجھنے کی بجائے فطری قوانین اور نیچرل سورسز کی کارروائی سمجھا جائے کہ ایسا ہمیشہ ہوتا آیا ہے اور نیچرل سورسز کے حوالے سے یہ معمول کی کارروائی ہے؛مگر ہم مسلمان اللہ تعالی پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کہ کائنات میں کسی درخت کا ایک پتہ بھی اس کی مرضی کے بغیر حرکت نہیں کرتا؛اس لیے ہم سب اس کو نیچرل سورسز کے کھاتے میں ڈال کر مطمئن نہیں بیٹھ سکتے۔

قدرتی آفات کیوں آتی ہیں؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ،سیلاب،طوفان،اوزلزلے ردیگر آفتیں کیوں آتی ہیں؟ ظاہر ہے کہ ان کے کچھ ظاہری اسباب بھی ہوں گے۔ ہمارے سائنس داں اور ماہرین ان اسباب کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی نشاندہی بھی کرتے ہیں،ہمیں ان کی کسی بات سے انکار نہیں۔اسباب کے درجے میں ہم ہر معقول بات کو تسلیم کرتے ہیں؛لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم نے گزشتہ اقوام پر آنے والی ان آفتوں، آندھیوں،طوفانوں،زلزلوں،وباں،اور سیلابوں کا ذکر ان اقوام پر اللہ تعالی کی ناراضگی کے اظہار کے طور پر کیا ہے اور ان قدرتی آفتوں کو ان قوموں کے لیے خدا کا عذاب قرار دیا ہے اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت سے پہلے اپنی امت میں آنے والی قدرتی آفتوں کا پیش گوئی کے طور پر تذکرہ فرمایا ہے اور اللہ تعالی کی طرف سے سزا یا تنبیہ کے طور پر ان کا ذکر کیا ہے۔ان میں سے چند احادیث کا یہاں ذکر کرنا چاہوں گا۔

☆ ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نیکی کا حکم ضرور دیتے رہنا،لوگوں کو برائی سے ضرور منع کرتے رہنا،اور ظلم کرنے والے کا ہاتھ پکڑ کر اسے ظلم

سے ضرور روکنا ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو ایک دوسرے پر مار دے گا اور تم پر اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح پہلی امتوں پر کی تھی۔

ترمذی شریف میں حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم! تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ضرور سرانجام دیتے رہنا، ورنہ تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب نازل ہوگا، پھر تم دعائیں کرو گے تو تمہاری دعائیں بھی قبول نہیں ہوں گی۔

☆ ابوداؤد شریف میں حضرت صدیق اکبر سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب لوگ معاشرہ میں منکرات یعنی نافرمانی کے اعمال کو دیکھیں اور اصلاح کی کوشش نہ کریں اور جب کسی ظالم کو ظلم کرتا دیکھیں اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ظلم سے نہ روکیں تو قریب ہے کہ سب پر خدا کا عذاب آ جائے۔

ابن ماجہ شریف میں حضرت ابو مالک اشعری سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں بعض لوگ شراب پی رہے ہوں گے اور اس کا نام انہوں نے کچھ اور رکھا ہوگا، مردوں کے سروں پر گانے کے آلات بج رہے ہوں گے، اور گانے والیاں گا رہی ہوں گی کہ اللہ تعالیٰ انھیں زمین میں دھنسا دے گا اور ان میں سے کچھ کو بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کر دے گا۔

☆ ترمذی شریف میں حضرت علی اور حضرت ابوہریرہ سے راویت ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب غنیمت کے مال کو ہاتھوں ہاتھ لوٹا جانے لگے، امانت کو غنیمت کا مال سمجھ لیا جائے، زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جانے لگے، تعلیم حاصل کرنے میں دین کے مقصد کو پسِ پشت ڈال دیا جائے، خاوند اپنی بیوی کا فرمانبردار ہو جائے، بیٹا اپنی ماں کا نافرمان ہو جائے، بیٹا اپنے دوست کو قریب کرے اور باپ کو خود سے دور رکھے، مسجدوں میں شور و غل ہونے لگے، قبیلہ کا سردار اس کا فاسق شخص ہو، قوم کا لیڈر اس کا رذیل ترین شخص ہو، کسی شخص کی عزت صرف اس کے شر سے بچنے کے لیے کی جانے لگے، ناچنے والیاں اور گانے بجانے کے آلات عام ہو جائیں، شرابیں پی جانے لگیں، اور امت کے بعد والے لوگ پہلے لوگوں پر لعن طعن کرنے لگیں تو پھر خدا کے عذاب کا انتظار کرو جو سرخ آندھی، زلزلوں، زمین میں دھنسائے جانے، شکلوں کے مسخ ہونے، پتھر برسنے، اور ایسی دیگر نشانیوں کی صورت میں اس طرح لگاتار ظاہر ہوگا جیسے کسی ہار کی ڈوری ٹوٹ جائے اور موتی لگاتار گرنے لگے۔

اسی طرح آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ یہ قدرتی آفتیں پہلی امتوں کی طرح اس امت میں بھی آئیں گی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا اظہار ہوں گی؛ اس لیے سیلاب اور آندھی اور طوفان کے ظاہری اسباب پر ضرور نظر کی جائے اور ان کے حوالے سے بچا اور تحفظ کی ضرور کوشش کی جائے لیکن اس کے ساتھ بلکہ اس

سے زیادہ ضروری ہے کہ اس کے باطنی اسباب اور روحانی عوامل کی طرف بھی توجہ دی جائے اور ان کو دور کرنے کے لیے بھی محنت کی جائے۔ جب یہ بات کہی جاتی ہے تو اس پر ایک سوال اٹھایا جاتا ہے کہ سزا اور تنبیہ تو مجرموں کو ہوتی ہے، جو لوگ جرائم میں شریک نہیں ہیں ان کا کیا قصور ہے اور معصوم بچوں اور عورتوں کا کیا جرم ہے کہ وہ بھی بہت بڑی تعداد میں زلزلہ کی زد میں آ جاتے ہیں۔ اس کے جواب میں گزارش ہے کہ یہ بات بھی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد ارشادات میں واضح فرمائی ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والی ان آفتوں کا ذکر کیا تو یہ سوال خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کیا گیا تھا کہ کیا نیک لوگوں پر بھی یہ عذاب آئے گا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب اثبات میں دیا تھا۔

☆ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی قوم پر خدا کا عمومی عذاب آتا ہے تو نیک و بد سب اس کا شکار ہوتے ہیں؛ البتہ قیامت کے دن سب لوگ اپنی نیتوں کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔

☆ مسلم شریف میں ام المومنین حضرت عائشہ سے روایت ہے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے خواب میں دکھایا گیا ہے کہ میری امت کا ایک شخص حرم مکہ میں پناہ لیے ہوگا اور میری امت کا ہی ایک لشکر اس کے تعاقب میں مکہ مکرمہ کی طرف یلغار کرے گا؛ لیکن ابھی وہ بیدا کے مقام پر ہوں گے کہ سب لوگ زمین میں دھنسا دیے جائیں گے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ ان میں بہت سے لوگ غیر متعلق بھی ہوں گے؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں مستبصر بھی ہوں گے یعنی وہ لوگ جو اپنی مرضی کے ساتھ شریک ہوں گے، کچھ مجبور بھی ہوں گے جو کسی مجبوری کی وجہ سے ساتھ ہوں گے، اور ابن السبیل یعنی راہ گیر بھی ہوں گے جن کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہوگا؛ لیکن جب زمین پھٹے گی تو سب لوگ اس میں دھنس جائیں گے، البتہ قیامت کے دن سب لوگ اپنی اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے۔

☆ بخاری شریف میں ام المومنین حضرت زینب بنت جحش سے روایت ہے کہ ایک موقع پر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے کسی حصے پر آنے والے عمومی عذاب کا ذکر فرمایا تو ام المومنین نے سوال کیا کہ کیا نیک لوگوں کی موجودگی میں ایسا ہوگا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہاں جب خباثتوں کی کثرت ہو جائے گی تو ایسا ہی ہوگا۔

مسلم شریف میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی نوعیت کی روایت ہے کہ انہوں نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جو شخص نافرمانوں کے ساتھ شریک نہیں ہوگا، کیا اس پر بھی عذاب

آئے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! دنیا کے عذاب میں سب ایک ساتھ ہوں گے، پھر قیامت کے دن ہر شخص اپنی نیت پر اٹھایا جائے گا۔

چنانچہ یہ اللہ تعالی کا قانون اور ضابطہ ہے جس کی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وضاحت فرما رہے ہیں۔ اس کے مطابق ہمیں جہاں یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالی کی طرف سے ہے، وہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ یہ اللہ تعالی کی طرف سے ناراضگی کا اظہار ہے، سزا ہے، تنبیہ ہے، اور عبرت ہے جس سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہیے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں

وہ رب انسان کو اپنی معرفت وقرب اور اپنی عبادت و بندگی کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ندا دیتا رہتا ہے۔ جس طرح انسان کا کوئی محسن اسے تباہی سے بچانے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتا ہے۔ اسی طرح بلا تشبیہ و بلا مثال وہ رب جب اپنے بندوں کو نافرمانیوں وسرکشیوں کی صورت میں ہلاکت کے گڑھوں کی طرف بڑھتے اور عبادت و معرفت سے دور ہوتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ انھیں کبھی پیار اور کبھی زجر وتوبیخ کے ذریعے اپنی جانب متوجہ کرتا ہے۔ کبھی وہ بندے پر رحمت نچھاور کرتا ہے اور کبھی غیظ وغضب نازل کرتا ہے۔ وہ پیار و محبت کے انداز میں بندے کو یوں احساس دلاتا ہے:

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ

اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے رب کریم کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا۔ (الانفطار:٦)

اللہ رب العزت جب انسانوں کی نافرمانیوں اور سرکشیوں پر نظر کرتا ہے۔ جب وہ لوگوں میں دنیا طلبی کو زیادہ اور خدا طلبی کو کم دیکھتا ہے۔ جب انسان زندگی کے ہر شعبے میں ظلم و بغاوت کو اختیار کر لیتا ہے۔ جب انسانیت ہی ظالم انسانوں کا اللہ کی بارگاہ میں شکوہ کرتی نظر آتی ہے۔ جب انسان اللہ کے حرام کو خود ہی حلال کرنے لگتا ہے۔ جب اپنے ظلم کو عدل اور اپنے گناہ کو نیکی سمجھنے لگتا ہے۔ جب اپنی نافرمانی اور سرکشی کو اپنی دینداری وخوبی جاننے لگتا ہے۔ جب اپنی بدکرداری کو اپنی برتری تصور کرنے لگتا ہے۔ جب معاشرے کے کمزوروں کا خون چوسنا اور کمزور وضعیف لوگوں کے مال کو ہڑپ کرنا اپنا فرض منصبی جاننے لگتا ہے۔ جب ایمان کی قدریں کمزور اور شر کی اقدار فروغ پانے لگتی ہیں۔ جب نیکی کے بجائے گناہ اور اطاعت کے بجائے معصیت اپنے سائے دراز کرنے لگتی ہے۔ اور جب عبادت و بندگی کو عار سمجھا جانے لگتا ہے تو اللہ کا غضب قدرتی آفات زلزلہ، سیلاب، وبائی امراض وغیرہ کی صورت میں زمین پر نازل ہوتا ہے۔

آج کل ہم آئے دن زلزلوں کا سامنا کر رہے ہیں۔ یہ بھی ہمارے نامہ اعمال اور گناہوں کے باعث غضب الٰہی ہے کہ زمین ہمارے گناہوں کی وجہ سے تھرتھراتی و کانپتی ہے اور اس میں بے پناہ ارتعاش ظاہر ہوتا ہے۔ یہ غضب جہنم کے غضب سے کم درجے کا ہوتا ہے۔ اس غضب کا مقصد بندے کے عمل کی اصلاح اور اسے اللہ کی بندگی کی طرف متوجہ کرنا ہوتا ہے۔

امت مسلمہ عذاب اکبر سے محفوظ ہے

یہ بات ذہن نشین رہے کہ دنیوی زندگی میں ہم پر نازل ہونے والے یہ عذاب غضب کے معنی میں ہیں؛ اس لیے کہ باری تعالی نے امت مسلمہ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت و بعثت کے صدقے عذابِ ہلاکت سے محفوظ کر لیا ہے۔ وہ عذاب جو پہلی اقوام و امم پر نافرمانی کے باعث آتے تھے کہ ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا تھا۔ ان کے لیے اللہ کا عذاب دائمی موت کا پیغام لے کر آتا تھا۔ باری تعالی نے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو **وما آرسلنٰك إلا رحمة لِلعٰلمِين** کا تاج پہنایا اور سارے جہانوں کے لیے رحمت بناتے ہوئے آپ کو رحمۃ للعالین کے عظیم منصب پر فائز کیا۔ لہٰذا اب اس رحمت للعالمینی کی شان کے ساتھ بعثت کا تقاضا تھا کہ اب اللہ کا عذاب اس طرح انسانوں پر نہ آئے جس طرح سابقہ اقوام و ملل پر آتے رہے؛ اس لیے کہ رحمت اور عذاب دو متضاد چیزیں ہیں۔ وہ عذاب اکبر جو دوسری قوموں اور امتوں کو دنیوی زندگی میں اللہ کی نافرمانی پر تباہ کر دیتا تھا اور ان کا وجود مٹا دیتا تھا، باری تعالی نے اس عذاب کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ رحمت کے باعث اٹھا لیا ہے۔ اب عذاب اصغر غیظ و غضب کی صورت میں ظاہر ہوتا رہے گا؛ تاکہ بندے رب کی بندگی کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اس کے احکام کو اپنی زندگی کا عمل بنائیں۔

قرآن مجید میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی کی وجہ سے عذابِ الٰہی نہ اترنے کو اس طرح بیان فرمایا گیا:

اور (درحقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان کو عذاب دے جب کہ (اے حبیبِ مکرم)! آپ بھی ان میں (موجود) ہوں، اور نہ ہی اللہ ایسی حالت میں ان کو عذاب دینے والا ہے کہ وہ (اس سے) مغفرت طلب کر رہے ہوں۔

اس آیت کریمہ نے اس تصور کو واضح کر دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک **وانت فیھم** کی شان کے تحت ہمارے اندر موجود ہیں اور **وما ارسلنٰك الا رحمة للعٰلمین** کے تحت باری تعالی نے امت مسلمہ سے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے دنیوی عذابِ اکبر کو اٹھا دیا ہے۔

اس آیت کریمہ کے اگلے حصے نے اس بات کو بھی واضح کر دیا ہے کہ جب تک یہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کرتے رہیں گے، باری تعالی ان کو عذاب میں گرفتار نہ کرے گا۔ اگر ان کے ہاتھ اللہ کی بارگاہ میں انفرادی واجتماعی توبہ اور استغفار کے لیے بلند ہوتے رہیں گے تو باری تعالی ان کو دنیا کے سارے عذابوں اور اپنے غضبوں سے بھی محفوظ کر دے گا۔ لہٰذا ہمیں حکم دیا گیا کہ اس آیت کریمہ کے اگلے حصے نے اس بات کو بھی واضح کر دیا ہے کہ جب تک یہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کرتے رہیں گے، باری تعالی ان کو عذاب میں گرفتار نہ کرے گا۔ اگر ان کے ہاتھ اللہ کی بارگاہ میں انفرادی واجتماعی توبہ اور استغفار کے لیے بلند ہوتے رہیں گے تو باری تعالی ان کو دنیا کے سارے عذابوں اور اپنے غضبوں سے بھی محفوظ کر دے گا۔ لہٰذا ہمیں حکم دیا گیا کہ:

اور تم سب اللہ کے حضور توبہ کرو، اے مومنو! تاکہ تم (ان احکام پر عمل پیرا ہوکر) فلاح پا جاؤ۔ (النور:۳۱)

اس آیت کریمہ نے واضح کر دیا ہے کہ اللہ کے غضب، گرفت اور عذاب سے بچنے کا طریقہ توبہ واستغفار ہے۔ یہ توبہ واستغفار انفرادی زندگی میں بھی نظر آئے اور اجتماعی زندگی میں بھی نظر آئے۔ یعنی ہمارے انفرادی کردار پر بھی توبہ واستغفار غالب نظر آئے اور اجتماعی کردار بھی۔

قدرتی آفات آنے پر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

اب آخری سوال کی طرف آیئے کہ اس صورتحال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اس سلسلہ میں ہمارا سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ ہم توبہ واستغفار کریں، اپنے جرائم اور بداعمالیوں کو یاد کریں، اپنی زندگیوں کو بدلنے کی کوشش کریں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام کریں، معاشرے میں برائیوں کو روکنے اور نیکیوں کو پھیلانے کی محنت کریں، اور دین کی طرف عمومی رجوع کا ماحول پیدا کریں۔

اس کے بعد ہماری دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کریں، ان کی بحالی کے لیے کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں کہ یہ ہماری دینی اور قومی ذمہ داری ہے اور اس کا اللہ تعالی کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔ تباہی کے خوفناک مناظر جو دکھائے جا رہے ہیں، ہزاروں خاندان اور لاکھوں افراد ہماری مدد اور توجہ کے مستحق ہیں۔ کیرالا میں اگرچہ امدادی سرگرمیاں وسیع پیمانے پر جاری ہیں؛ لیکن اصل ضرورت سے بہت کم ہیں اور ابھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے؛ اس لیے ہر شخص کو دامے درمے سخنے اس حوالہ سے مدد دینے اور ہاتھ بٹانے کی ضرورت ہے۔

☆☆☆

مقالات ومضامین

پاکستان میں حالیہ تباہ کن سیلاب

اوراس کے اسباب واثرات

محمد احمد حافظ

گزشتہ دو ماہ پاکستان آفات ارضی وسماوی کا شکار رہا، ملک میں جولائی اگست کے مہینے مون سون کے ہوتے ہیں۔ ان مہینوں میں بارشیں ہونا معمول ہے مگر اس دفعہ بارشیں اس طرح ٹوٹ کے برسیں اور اس قدر شدت اختیار کی کہ جتنی بارش سال بھر میں برستی ہے محض چند روز میں ہی برس گئی اور اسّی برس پرانا ریکارڈ ٹوٹ گیا۔ سیلاب نے پہلے کے پی کے میں تباہی مچائی، پھر پنجاب میں دریائے راوی، ستلج، جہلم اور چناب نے اپنی طغیانی سے قرب وجوار کے علاقوں کو شدید متاثر کیا۔۔۔ خصوصاً جنوبی پنجاب (جہاں ہیڈ پنجند پر سارے دریا اکٹھے ہوتے ہیں) کے علاقے جلال پور پیروالا، شجاع آباد کے نواح اور علی پور میں سینکڑوں بستیاں زیرآب آئیں، لاکھوں لوگوں کو گھر بار، مال مویشی اور تیار فصلیں چھوڑ کر نقل مکانی کرنا پڑی۔ سیلابی آفت کے نتیجے میں ایسے دل خراش واقعات سامنے آئے ہیں کہ انہیں بیان کرنے کے لیے ہمت چاہیے۔

الحمدللہ! اس حوالے سے اطمینان رہا کہ آفت رسیدہ لوگوں کو سنبھالنے، اور بے یارومددگار افراد کی عارضی بحالی کے لیے فلاحی ورفاہی تنظیموں نے حصہ لیا۔ خصوصاً مذہبی رفاہی تنظیموں نے خدمت خلق کی جو تاریخی داستان رقم کی ہے وہ سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ جنوبی پنجاب کے علاقوں میں مرکزی ناظم اعلیٰ وفاق؛ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم کی سرپرستی میں قائم ''الخیر خدمت فاؤنڈیشن'' اور ناظم وفاق جنوبی پنجاب؛ شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی مدظلہم کی سرپرستی میں قائم ''الفاروقیہ ٹرسٹ'' نے بے مثال خدمات انجام دیں۔ اسی طرح جمعیت علماء اسلام نے مولانا مفتی فضل غفور کی سرکردگی میں بونیر کے علاقے میں بے لوث ہو کر سیلاب زدگان کی خدمت کی۔ علاوہ ازیں ناظم وفاق صوبہ سندھ حضرت مولانا امداداللہ یوسفزئی مدظلہم نے ''بنوری ٹرسٹ'' کے پلیٹ فارم سے امدادی کارروائیوں میں بھرپور حصہ ڈالا۔

سیلاب متاثرین کی بحالی کا یہ عارضی بندوبست ہی ہے، جس بڑے پیمانے پر تباہی ہوئی ہے اس کا ازالہ کسی بڑی سے بڑی این جی او کے بھی بس کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جن لوگوں کے نقصانات ہوئے ہیں ان کے لیے اپنے خزانہ غیب سے مدد فرمائے اور انہیں دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا نصیب ہو۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان ان دنوں جس تباہی سے دوچار ہوا وہ شاید دنیا کے بہت ہی کم ممالک نے دیکھی ہو۔ ایسا تلخ تجربہ پاکستان کو شاید پہلی مرتبہ ہوا ہے، دعا ہے کہ دوبارہ کبھی نہ ہو۔ اس خوفناک تباہی کی وجوہات کیا تھیں؟ اس کا جائزہ لیا جانا ضروری ہے۔

ان سیلابوں کے ظاہری اسباب بھی ہیں اور باطنی بھی۔ ظاہری اسباب میں سیلاب آنے کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں مثلاً شدید یا غیر معمولی بارشیں، پہاڑوں پر جمی برف کا تیزی سے پگھلنا، گلوبل وارمنگ یعنی بڑھتے ہوئے درجہ حرارت کے سبب گلیشئرز کا پگھلنا وغیرہ وغیرہ۔ مخصوص جغرافیائی وجوہات کی وجہ سے بھی بسا اوقات طوفانی بارشیں ہوتی ہیں اور اس کے نتیجے میں سیلاب آتے ہیں۔

ان سیلابوں کے سیاسی ومعاشرتی اسباب بھی ہیں۔ دریائی راستوں میں جدید سوسائٹیاں بسانا، مناسب اسپیس دیے بغیر موٹرویز بنانا؛ گویا خود تباہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

پاکستان ان ممالک میں سرفہرست ہے جہاں سارا سال پانی کی کمی رہتی ہے۔ ملک کے چار صوبے ہیں اور ان چاروں صوبوں میں شدید اختلافات کی وجہ پانی کی کمی رہی ہے۔ اس صورتحال میں اس بار برسنے والی غیر معمولی بارشیں باران رحمت ثابت ہوسکتی تھیں مگر افسوس ایسا نہ ہوسکا اور سارا کا سارا پانی نہ صرف ضائع ہوگیا بلکہ اس پانی نے ہزاروں افراد کی جانیں لے لیں، لاکھوں افراد بے گھر اور بری طرح متاثر ہوئے۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ جتنا پانی آسمان سے برسا وہ زیادہ سے زیادہ ڈیمز، چھوٹے بڑے بندوں اور تالابوں میں جمع ہوکر کئی برسوں تک رحمت کا سبب بنتا مگر تلخ ترین حقیقتوں کی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہوسکا۔ سال بھر تک پانی کو ذخیرہ کرنے کیلئے ہر ملک میں ضرورت کے مطابق چھوٹے بڑے ڈیمز بنائے جاتے ہیں لیکن ہمارے ہاں قومی یکجہتی کے فقدان، سیاسی نفرتوں اور تعصّبات کے باعث ڈیموں کی تعمیر ایک عرصے سے سیاسی ایشو بنی ہوئی ہے۔ ملک میں صرف دو چار ہی بڑے ڈیم ہیں منگلا، تربیلا اور وارسک ڈیم جبکہ کالا باغ، کرم تنگی، بھاشا، منڈا اور اکوڑی ڈیمز کسی نہ کسی وجہ سے کئی عشروں سے متنازع بنے ہوئے ہیں اور اس کے سبب ان کی تعمیر آج تک مکمل نہیں ہوسکی۔ آج اگر یہ ڈیم ہوتے تو نہ پانی ضائع ہوتا نہ اتنی بڑی تباہی ہوتی۔

یہ تو ظاہری اسباب ہیں، ہمیں ان آفات کے باطنی اسباب پر بھی غور کرنا چاہیے۔ آج ایک بڑا طبقہ ایسا پیدا ہوگیا ہے جو آفاتِ ارضی وسماوی کے باطنی اسباب پر بات کرنے کے لیے تیار نہیں، بلکہ ایک گونہ اس بات کا تمسخر اڑایا جاتا ہے۔ اس کے خیال میں باطنی اسباب پر بات کرنا گویا آفت زدگان کو تکلیف پہنچانے کے مترادف ہے، حالانکہ یہی وہ موقع ہوتا ہے کہ لوگوں یاد دلایا جائے کہ اس کائنات کا ایک خالق ومالک ہے، جب جب اس کی منشاء کے خلاف

امور پیش آئیں گے تو قدرت کی طرف سے تنبیہات ضرور ہوں گی ،اور یہ دراصل انسان کے اپنے ہی ہاتھوں کا کیادھرا ہوگا۔ چناں چہ قرآن مجید میں واشگاف ارشاد ہے:

ظھر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقھم بعض الذی عملو العلھم یر جعون

جب بھی اس قانونِ الٰہی کی مخالفت رونما ہوا اور اُمورِ شرعیہ میں کھلے بندوں افراط وتفریط سے کام لیا جانے لگے،تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آفات وبلیات کا ظہور ہوگا، اگر احکام شرع کی خلاف ورزی اور نافرمانی انفرادی ہوگی تو عذابِ خداوندی بھی انفرادی طور پر تکوینی راستہ سے آئے گا اور اگر خلاف ورزی قومی اور اجتماعی رنگ کی ہوگی تو وبال بھی اجتماعی حیثیت سے سامنے آئے گا۔

احادیث مبارکہ میں انسانوں کی بداعمالیوں کے سبب حالات بگڑنے کا تذکرہ بہت تفصیل سے موجود ہے، ذیل میں ایک حدیث کی روشنی میں بلائیں نازل ہونے اور زلزلے آنے کے اسباب ذکر کیے گئے ہیں:

1. خیانت: إِذَا اتُّخِذَ الْفَيْئُ دِوَ لًا جب مالِ غنیمت کو اپنی ذاتی دولت سمجھا جانے لگے۔

2. وَالْأَمَانَة مَغْنَمًا امانت کو مالِ غنیمت سمجھا جانے لگے، یعنی: امانت کو ادا کرنے کی بجائے خود استعمال کرلیا جائے۔

3. عبادت میں حیلے بہانے: وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جانے لگے، یعنی: خوشی سے دینے کی بجائے ناگواری سے دی جائے۔

4. وَتُعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّينِ علم دین کے لیے نہیں بلکہ دنیا کے لیے حاصل کیا جانے لگے۔

5. قطع رحمی وقطع تعلقی: وَاَطَاعَ الرَّجُلُ امْرَأَته آدمی اپنی بیوی کی فرماں برداری کرنے لگے۔

6. وَعَقَّ أُمَّه اور اپنی ماں کی نافرمانی کرنے لگے۔

7. وَاَدْنٰى صَدِيْقَه، دوست کو قریب کرنے لگے۔

8. وَاَقْصٰى اَبَاهُ اور باپ کو دور کرنے لگے۔

9. شعائر اللہ کی توہین: وَظَهَرَتِ الْاَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ مسجدوں میں کھلم کھلا شور ہونے لگے۔

10. عہدوں اور مناصب میں بے دینی: وَسَادَ الْقَبِيْلَةَ فَاسِقُهم قوم کی سرداری فاسق کرنے لگے۔

11. وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَهم قوم کا سربراہ، قوم کا سب سے ذلیل آدمی بن جائے۔

12. وَاُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ آدمی کا اکرام اس کے شر سے بچنے کے لیے کیا جانے لگے۔

13. بے حیائی، فحاشی وعریانی: وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ گانے والی عورتوں اور ساز وباجے کا

رواج ہونے لگے۔

14. وَشُرِبَتِ الْخَمْرُ شراب کھلے عام پی جانے لگے۔

15. عجب وعدمِ اعتماد: وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا اُمت کے بعد والے لوگ اپنے سے پہلے لوگوں کو برا بھلا کہنے لگیں۔

فَارْتَقِبُوا عِنْدَ ذٰلِكَ (یعنی: جب یہ پندرہ کام ہونے لگ جائیں تو) اُس وقت انتظار کرو، رِيحًا حَمْرَاءَ سرخ آندھی کا، وَزَلْزَلَةً زلزلے کا، وَخَسْفًا زمین میں دھنس جانے کا، وَمَسْخًا آدمیوں کی صورت بگڑ جانے کا، وَقَذْفًا اور آسمان سے پتھروں کے برسنے کا، وَآيَاتٍ تَتَابَعُ كَنِظَامٍ قُطِعَ سِلْكُهٗ فَتَتَابَع، اور ایسے ہی مسلسل آفات اور بلاؤں کے آنے کا انتظار کرو جس طرح کسی ہار کا دھاگا ٹوٹ جائے اور اس کے موتی پے در پے جلدی جلدی گرنے لگیں۔

اس حدیث مبارکہ میں جتنے اسباب ذکر کیے گئے ہیں ان میں سے بعض انفرادی اعمال سے متعلق ہیں اور بعض اجتماعی اعمال سے متعلق ہیں۔

بات صرف سیلاب کی نہیں بلکہ پچھلے چند ماہ کا ریکارڈ اٹھا کر دیکھ لیا جائے تو کئی مرتبہ زلزلے بھی آ چکے ہیں، اگرچہ ان زلزلوں کے سبب کوئی بڑی تباہی نہیں ہوئی لیکن خدانخواستہ کسی وقت بھی کوئی بڑا المیہ جنم لے سکتا ہے۔

مسلمان ہونے کے ناطے اس بابت ایک مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ دنیا میں پیش آنے والے حادثات و واقعات زلزلوں کی صورت میں ہوں، سیلاب کی صورت میں ہوں، کسی وبا کی صورت میں ہوں یا کسی اور صورت میں؛ یہ سب اللہ تعالیٰ کی چاہت اور حکم سے وقوع پذیر ہوتے ہیں، جس کا سبب حدیث کی رُو سے انسان کی اپنی انفرادی یا اجتماعی بداعمالیاں ہوتی ہیں، اس لیے ایسے وقت میں ان حوادث کو محض ظاہری اسباب کی طرف منسوب کر کے اپنی جگہ مطمئن ہو جانے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور اصلاحِ اعمال کی کوشش کرنی چاہیے۔ انسان جب کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو اس کا دل نرم ہو چکا ہوتا ہے، ایسے وقت میں خوش اسلوبی کے ساتھ عبرت وموعظت کی ذمہ داری نبھانا بہت مفید ہوتا ہے، علماء کرام، خطباء، واعظین کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کو رجوع الی اللہ، انابت وخشیت، تقویٰ وتدین پر ابھاریں، معاشرے میں پھیلے بدترین اعمال واخلاق کو احادیث کی روشنی میں واضح کریں۔ محبت اور ہمدردی کے جذبے کے ساتھ لوگوں کو منکرات ترک کرنے پر متوجہ کریں۔

☆☆☆

شخصیت

حضرت شیخ احمد القشاشی رحمۃ اللہ علیہ

(۹۹۱-۱۰۷۱ھ/ ۱۵۸۳-۱۶۶۱ء)

مولانا جنید اشفاق اٹکی

برصغیر پاک وہند میں تقریباً ہر حدیث کی سند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے واسطے سے ہوتی ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔حضرت شاہ صاحبؒ نے علمِ حدیث حجاز سے برصغیر منتقل کیا تھا۔یہ اسناد مختلف مشائخ سے ہوتی ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہیں،ان اسناد میں آنے والی ہر ہر شخصیت علوم ومعارف کی درخشاں تاریخ ہے۔سیدی وسندی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے بندہ کو حکم فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی سند میں آنے والے مشائخ کے کچھ احوال جمع کروں تاکہ اندازہ ہو کہ یہ شخصیات علوم ومعارف کی کن بلندیوں پر فائز تھیں۔الحمدللہ اس سلسلے کا تیسرا مضمون پیشِ خدمت ہے۔یہ مضمون حضرت شاہ صاحبؒ کی صحیح بخاری کی سندِ حدیث میں آنے والی تیسری شخصیت حضرت شیخ احمد بن محمد القشاشیؒ کے بارے میں ہے۔(جنید)

جب ہر وقت کی دوڑ دھوپ کا محور مادہ پرستی ہی ہو کہ ہر لحظہ یہی فکر اور ہر لمحہ یہی غم تو انسان کا رخ اپنے مقصدِ اصلی سے پھر جاتا ہے۔وہ بھول جاتا ہے کہ اس کی پیدائش کا اصل مقصد کیا ہے،ایسے وقت میں ضرورت ہوتی ہے کوئی گوشہ تلاش کیا جائے،اور وہاں بیٹھ کر اپنے ایمان کی آبیاری کی جائے۔

یہ اللہ والوں کے تذکرے ایمان کی آبیاری کے لیے بہترین سامان ہیں۔ان کے تقرب الی اللہ،تعلق مع اللہ اور رجوع الی اللہ کے تذکرے روح کو تازگی فراہم کرتے ہیں۔خلوتیں معطر ہوتی ہیں،مطالعے کی خاموش فضاؤں میں بارہا کہیں چوٹ پڑنے کی آواز آتی ہے، پھر ہر دھک دھک کی آواز اپنے دل سے نکلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔کتابوں میں پڑھا ہے کہ مولائے روم،زرکوب کی دکان پر ہونے والی کھٹ کھٹ سن کر بے ہوش ہو گئے تھے۔

تمہاری گفتگو ہے اور میں ہوں :

اللہ رب العزت نے اپنے مقبول بندوں کے ناموں میں عجب تاثیر رکھی ہے کہ تذکرے سے پہلے ان کے نام ہی کافی ہو جاتے ہیں،شیخ احمد قشاشیؒ کا ذکر خیر شروع فرماتے ہی گویا ابوسالم العیاشیؒ کے ضبط کے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں۔عبارت کی کسک محسوس کیجیے گا!

وهو شيخنا الإمام، قدوة الأكابر الأعلام، شيخ العارفين، وسائس قلوب الراحلين والخائفين، ذو التصرف التام في العلمين، ومرشد السالكين، وإمام الحرمين، غوث زمانه، وقطب أوانه، الشيخ السيد صفي الدين أحمد بن محمد بن يونس الملقب بعبد النبيّ بن القطب احمد بن علي المقدسي الدجاني بتخفيف الجيم، المدني قدس الله سره ورحمنا به والمحبين آمين (۱)

آپ کی پیدائش ۱۲ ربیع الاول ۹۹۱ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔(۲)

"مشيخه ابی المواهب الحنبلي" کے مصنف آپ کا سلسلہ نسب سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ تک نقل فرماتے ہیں۔آپ کے پردادا احمد بن علی کے بعد سلسلہ نسب یوں ذکر فرماتے ہیں:

علاؤ الدين علي ابن السيد الحسيب النسيب محمد بن يوسف بن حسن ابن ياسين البدري ...

پھر آگے الانس الجليل کے حوالے سے ذیل کا نسب بیان فرماتے ہیں:

بدر بن محمد بن يوسف بن بدر بن يعقوب بن مظفر بن سالم بن محمد ابن محمد بن محمد بن زيد بن علي بن الحسن بن العريض الاكبر ابن زيد بن زين العابدين بن على بن الحسين بن علي بن ابى طالب رضى الله عنه

(نیز تحریر فرماتے ہیں کہ) شیخ احمد قشاشیؒ نے (عالی نسب ہونے کے باوجود) نسبت تقوی پر اکتفاء فرمایا اور اپنے نسب کو مخفی رکھا۔شیخ محمد المدنیؒ کی والدہ (شیخ یونسؒ کی اہلیہ) حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھیں۔(۳)

آپ کی اصل بیت المقدس سے ہے،آپ کے جد اعلی حضرت شیخ،عارف،قطب زماں احمد بن علی المقدسی اسی سرزمین سے تعلق رکھتے تھے۔یہاں آپ کے کثیر متبعین اور اولاد موجود تھی،جب آپ کے بیٹے یونس المعروف عبد النبی پروان چڑھے اور معارف کا ذائقہ چکھا تو زمین میں سیاحت شروع فرما دی،اپنے شہر کو چھوڑ دیا اور اس قدر و منزلت سے الگ تھلگ ہو گئے جو انہیں اپنے والد سے ورثے میں ملی تھی،ان کے بھائی اور ان کے والد کے تمام متعلقین فلسطین ہی میں رہ گئے،آپ حجاز تشریف لے گئے،وہاں گھومتے رہے،پھر یمن پہنچے اور

(۱)۔الرحلة العياشية ج: ۱ ص: ۵۷۸

(۲)۔مشيخة ابی المواهب الحنبلی ص: ۹۵

(۳)۔مشيخة ابی المواهب الحنبلی ص: ۹۴

آخر کار مدینہ منورہ کو اپنا مسکن بنالیا۔(۱)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

دی پسر محمد بن یونس القشاشی الملقب بعبد النبی ابن الشیخ احمد الدجانی است ، دجانه بتخفیف الجیم قریه است قرے بیت المقدس ، شیخ احمد دجانی از انجاست بسیار بزرگ بود ، شیخ عبد الوہاب در طبقات ترجمه وی نوشته ، و شیخ یونس را عبد النبی ازاں گویند که مردماں را نبمزد گرفتی تا در مسجد نشیند و بر نبی صلی الله علیه وآله وسلم صلاة فرستاد، قشاشی ازاں گویند که برای ستر و اخفا در مدینه قشاشه فروشی کردے ، قشاشه سقط متاع را گویند چون دواتہا و پاپوش کهنه و مانند آں، و محمد مدنی نیز عالم بود و صالح ۔ (۲)

ترجمہ:

شیخ احمد قشاشی، شیخ محمد بن یونس المعروف ''عبد النبی'' بن شیخ احمد دجانی کے بیٹے ہیں۔دجانہ (جیم کی تخفیف کے ساتھ) بیت المقدس کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے۔شیخ احمد (شیخ قشاشی کے پردادا) اس دجانہ بستی کے بڑے بزرگ آدمی تھے۔شیخ عبدالوہاب نے ''طبقات'' میں ان کے حالات زندگی نقل فرمائے ہیں۔شیخ یونس (شیخ قشاشی کے دادا) کو عبد النبی اس لیے کہا جاتا تھا کہ وہ لوگوں کو پیسے دے کر مسجد میں لاتے تھے تاکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھیں۔اور شیخ یونس کو قشاشی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں اپنے مقام ومرتبہ کو چھپانے کی غرض سے قشاشہ فروخت کیا کرتے تھے۔قشاشہ ردی سامان کو کہا جاتا ہے مثلا دواتیں، جوتے اور اس طرح کی دیگر چیزیں۔محمد مدنی (شیخ قشاشی کے والد) عالم اور نیک آدمی تھے۔

سبحان اللہ! اپنے آپ کو گمنام رکھنے والے شیخ یونسؒ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں، ان کی رفیقۂ حیات حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں، ان کے والد احمد المقدسی فلسطین کے اولیاء کرام میں سے ہیں، شاید اسی مبارک خون کی برکت ہے کہ ایک طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت کہ پیسے خرچ کر کے لوگوں سے درود پڑھوایا جارہا ہے اور دوسری جانب بندگی کی معراج کہ حسب نسب

(۱)۔الرحلۃ العیاشیۃ ج: ۱ ص: ۵۸۰

(۲)۔انفاس العارفین ص: ۱۷۹

کے باوجود اپنے آپ کو مٹایا ہوا ہے۔

شیخ یونس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی محبت کے اثرات نسلوں میں منتقل ہوئے، فلسطین میں پیدا ہونے والے شیخ یونس مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرتے ہیں، ان کی اولاد فلسطین کی بجائے مدینہ منورہ میں پرورش پاتی ہے، بیٹے نیک صالح عالم بنتے ہیں، پوتے شیخ احمد القشاشیؒ جیسے عظیم محدث اور عظیم شیخ کہلاتے ہیں، پھر یہی پوتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کے اس مقام تک پہنچتے ہیں کہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکمل قرآن شریف سناتے ہیں، پوری زندگی مسندِ حدیث کو رونق بخشتے ہیں اور یہی خدمت کرتے کرتے عالم بالا روانہ ہو جاتے ہیں۔ یہ شیخ یونس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت تھی اور ان کا کمال اخلاص تھا، جس کے اثرات ان کی آنے والی نسلوں میں منتقل ہو رہے تھے۔ اپنے نسب کو مخفی رکھنے والے، اپنے مقام و مرتبہ کو چھپانے کی غرض سے قشاشہ فروشی کرنے والے اور ساری زندگی فنائیت میں بسر کرنے والے شیخ یونسؒ گمنام ہوئے، نہ ان کی قدر و منزلت میں کمی واقع ہوئی بلکہ یہی قشاشہ فروشی کی نسبت ان کی نسلوں کے لیے ذریعہ افتخار بنی، یقیناً جب معاملہ اللہ تعالی کے ساتھ ہو تو اللہ تعالی بہت ہی قدر فرمانے والے ہیں: ''کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند''

تربیتِ لعلِ بدخشاں:

خاندانِ قشاشی میں نسب کی طرح تقوی وللّٰہیت کی بنیادیں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا ملتی ہیں۔ اس خاندان کے بزرگ اور ان سے فیض یافتہ سینکڑوں شخصیات حضرت شیخ قشاشیؒ کے آس پاس موجود تھیں۔ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شیخ قشاشیؒ کی ابتدائی تعلیم کے لیے قدرت نے کس قدر اعلی درسگاہوں کا انتخاب فرمایا تھا۔

آپ کی پرورش آپ کے والد نے کی، آپ کو فقہ مالکی کے بعض مقدمات پڑھائے، آپ کے والد مدینہ منورہ کے بڑے علماء اور اولیاء میں سے تھے۔ ۱۰۱۱ھ میں آپ کے والد آپ کو لے کر یمن کی طرف روانہ ہوئے، وہاں آپ نے امین بن صدیق رواحی، شیخ احمد سطیحۃ زیلعی، سید علی القلبی اور علی بن مطیر سے علم حاصل کیا۔ پھر یمن سے مکہ پہنچے اور ایک پوری جماعت سے استفادہ فرمایا مثلاً سید ابو الغوث اور سلطان مجذوب وغیرہ سے۔ اس کے بعد آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور شیخ احمد بن فضل بن عبد النافع بن محمد بن عراقؒ کی صحبت اختیار فرمائی، آخرکار احمد بن المعروف شناوی و جامی کی صحبت اختیار کر لی، فقہ میں ان کے مذہب اور سلوک میں ان کے طریق کو اپنایا، اپنے شیخ کے فقہی مذہب کی کتب پڑھیں اور شیخ سے حدیث اور دیگر علوم حاصل کیے۔ پھر آپ نے اپنے شیخ

کے رفیق سید اسعد بلخی سے علم حاصل کیا۔ آپ نے تقریباً سو شیوخ سے استفادہ فرمایا تھا ۔(۱)

آپ کے بزرگوں کا طریق میں سلسلہ قادریہ اور فروع میں مذہب مالکیہ تھا۔ آپ اپنے بزرگوں کے طریق پر چلتے اور ان کے مذہب پر کاربند رہتے ہوئے پروان چڑھے تھے، یہاں تک کہ آپ کا تعلق شیخ شناویؒ سے قائم ہوا، ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، پھر جیسا کہ مرید صادق کی شان ہے کہ وہ شیخ حاذق کا مذہب فروع میں بھی اختیار کر لیتا ہے، شیخ کے ساتھ محبت، شیخ کی انتہائی درجے کی اتباع اور اپنے تمام معاملات میں شیخ کی اقتداء نے آپ سے بھی تقاضا کیا کہ آپ فروع میں بھی شیخ کا مذہب اختیار کر لیں۔ حضرت شیخ شناویؒ شافعی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ شیخ قشاشیؒ فرمایا کرتے تھے: تشفعت بالشیخ یہ انتہائی بلیغ جملہ ہے، اس سے اللہ کے ہاں شفاعت کرنے کا معنی بھی نکلتا ہے، اس لیے کہ شیخ مرید کے لیے شفیع ہے، اور شیخ کی وجہ سے شافعی ہونے کا معنی بھی نکلتا ہے۔ اور یہ دونوں معانی اپنی جگہ درست ہیں۔ شیخ قشاشی نے اولا فقہ مالکی کی چند کتب پڑھی تھیں، جب آپ شافعی مذہب کی طرف منتقل ہوئے تو شوافع کی کتب پڑھیں، پھر آپ دونوں مذاہب میں فتوی دیا کرتے تھے۔(۲)

آپ کو مختلف مشائخ سے احادیث کی اجازت بھی حاصل تھی۔ آپ نے اپنے شیخ، حضرت شیخ شناویؒ سے حدیث کے باب میں بھی خوب خوب استفادہ فرمایا تھا اور ان سے مختلف اسناد حاصل کی تھیں۔ آپ کی صحیح بخاری کی سند پیشِ خدمت ہے:

الشيخ أحمد القشاشي قال: أخبرنا أحمد بن علي بن عبد القدوس أبو المواهب الشناوي، قال: أخبرنا الشيخ شمس الدين محمد بن أحمد بن محمد الرملي، عن شيخ الإسلام أبي يحيى أحمد زكريا بن محمد الأنصاري، قال: قرأت على الشيخ شهاب الدين أحمد بن علي بن حجر الكناني العسقلاني صاحب فتح الباري، عن الشيخ زين الدين ابراهيم بن احمد التنوخي، عن ابى العباس احمد بن ابى طالب الحجار، عن الشيخ سراج الدين الحسين بن المبارك الحنبلي الزبيدي، عن الشيخ ابي الوقت عبد الأول بن عيسى بن شعيب السجزي الهروي، عن الشيخ أبي الحسن عبد الرحمن بن محمد بن المظفر بن داود الداودي، عن أبي محمد عبد الله بن أحمد السرخسي، عن أبي

(۱)۔ مشیخة ابی المواهب الحنبلی ص: ۹۳

(۲)۔ الرحلة العياشية ج: ۱ ص: ۵۸۱

عبد محمد بن يوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفربري، وهو من أرشد تلامذة الإمام البخاري عن مؤلفه أمير المؤمنين في الحديث أبي عبدالله محمد بن اسماعيل بن ابراهيم بن بردزبة الجعفي البخاري رحمهم الله تعالى ونفعنا بعلومهم، آمين (١)

ترے نقشِ پا کی تلاش میں:

شیخ قشاشیؒ کے دادا شیخ یونسؒ، فلسطین کے مشہور بزرگ احمد المقدسیؒ کے صاحبزادے تھے اور احمد المقدسیؒ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد میں سے تھے۔تصوف کے اکثر سلاسل کی انتہاء حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ہوتی ہے، آہ وبکاء کی یہ نسبتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتے پہنچتے سینکڑوں سینوں کو پھونکتی چلی جاتی ہیں۔یہاں تو ہر دو نسبتیں موجود تھیں، شیخ یونسؒ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے بھی تھے اور روح کی تاریں بھی وہیں جا کر ملتی تھیں پھر اس پر مستزاد یہ کہ احمد المقدسیؒ جیسے اولیاء کرام کی گود نصیب ہوئی تھی۔حیدری نسبت کا اثر اور والد ماجد کی صحبت وتربیت کا نتیجہ تھا کہ شیخ یونسؒ کے دل میں بھی شمع روشن ہو چکی تھی، دل اب تنہائیوں کا متلاشی اور گمنامیوں کا طلبگار ہو چکا تھا۔آپ نے معرفت حق کی خاطر فلسطین کی زمین سے ہجرت کی، یمن کی خاک چھانی، مکہ مکرمہ میں گوہر مقصود تلاش کیا اور آخر کار مدینہ منورہ کی سکونت اختیار فرمالی۔ اسی طرح شیخ محمدؒ نے اپنے والد ماجد شیخ یونسؒ سے آتشِ عشق ورثے میں حاصل کی، حجاز سے یمن کا سفر طے کیا، پھر مکہ پہنچے اور آخر کار مدینہ منورہ کو اپنا مسکن بنالیا۔اب یہ سوز تیسری نسل کو منتقل ہو رہا تھا، مدینہ منورہ میں آنکھ کھولنے والے، شیخ محمدؒ کے صاحبزادے، شیخ احمد قشاشیؒ یمن، مکہ اور مدینہ منورہ کے مختلف مشائخ سے استفادہ کر چکے تھے۔لیکن نگاہیں اب بھی کسی کی تلاش میں تھیں، اسی تلاش میں آپ مکہ مکرمہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔

ابوسالم العیاشیؒ، اپنی کتاب میں اس پورے واقعہ کو تفصیل سے نقل فرماتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں شیخ قشاشیؒ نے خواب میں حضرت شیخ شناویؒ کی زیارت فرمائی، اور اس خواب کی تعبیر یہ نکالی کہ ان کا مقصود ومطلوب مدینہ منورہ میں شیخ شناویؒ کی صورت میں موجود ہے، چناچہ آپ مدینہ منورہ روانہ ہوئے، طلب صادق کا اثر تھا کہ جب مدینہ منورہ پہنچے تو آپ کو سب سے پہلے ملنے والے ہی حضرت شیخ شناویؒ تھے۔شیخ شناویؒ نے آپ سے مصافحہ فرمایا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا:

مرحبا بمن جاء يقتبس من علومنا (اس آدمی کو خوش آمدید جو ہمارے علوم حاصل کرے گا)

---

(١)۔ماخوذ من "ثبت العثماني"

شیخ شناویؒ کو بھی القاء ہو چکا تھا کہ کوئی حق کا متلاشی آ رہا ہے۔ شیخ قشاشیؒ کو اپنے خواب کے سچا ہونے کا یقین ہو گیا تھا۔ آپ نے شیخ شناوی کی صحبت کو لازم پکڑ لیا اور برابر ترقی کے درجات طے فرماتے رہے، یہاں تک کہ آپ اپنے شیخ کے خاص اصحاب میں شمار ہوئے، ان کی جگر گوشہ طاہرہ شہزادی سے نکاح کی سعادت حاصل کی اور ان کے خلیفہ نامزد ہوئے۔ بالکل ایسے ہی، جیسے شیخ ابراہیم بن حسنؒ نے حضرت شیخ قشاشیؒ کی صاحبزادی سے نکاح بھی فرمایا تھا اور شیخ قشاشیؒ سے خلافت بھی حاصل کی تھی۔ حضرت شیخ قشاشیؒ اگرچہ کثیر مشائخ سے ملے تھے لیکن وہ اپنے آپ کو صرف حضرت شیخ شناویؒ کی جانب منسوب کیا کرتے تھے اس لیے کہ انہی کے ہاتھ پر وہ مرتبہ کمال کو پہنچے تھے۔(۱)

انگلیاں تارِ گریباں میں الجھ جاتی ہیں

سخت دشوار ہے ہاتھوں سے دبانا دل کا

حضرت شیخ قشاشیؒ کو دسیوں مشائخ سے خرقے حاصل ہوئے تھے۔ آپ نے اپنی کتاب **''السمط المجید فی سلاسل اهل التوحید''** میں مختلف سلاسل کی اسناد ذکر فرمائی ہیں۔ اختصار کے ساتھ سلسلہ قادریہ کی سند تبرکاً پیشِ خدمت ہے:

شیخ قشاشی نے خرقہ خلافت حاصل کیا ابوالمواهب احمد بن علی شناوی سے، انہوں نے سید صبغۃ اللہ سے، انہوں نے وجیہ الدین علوی سے، انہوں نے سید محمد غوث سے، انہوں نے امام مظہر النور الحاج حصور سے، انہوں نے شیخ ہدیۃ اللہ سرمست سے، انہوں نے شیخ محمد علاؤالدین سے، انہوں نے شیخ عبدالوہاب قادری سے، انہوں نے شیخ عبدالرؤف قادری سے، انہوں نے شیخ محمود قادری سے، انہوں نے شیخ عبدالغفار صدیقی سے، انہوں نے شیخ محمد قادری سے، انہوں نے شیخ علی حسینی سے، انہوں نے شیخ جعفر بن احمد حسینی سے، انہوں نے شیخ ابراہیم حسینی سے، انہوں نے شیخ عبداللہ قادری سے، انہوں نے شیخ عبدالرزاق قادری سے اور انہوں نے اپنے والد قطب الاقطاب سلطان الاولیاء محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی سے۔ **رحمهم الله تعالى عليهم اجمعين** (۲)

شیخ قشاشیؒ اور آپ کے خاندان کے بزرگوں نے معرفت حق کی خاطر مختلف علاقوں کے اسفار کئے تھے،

---

(۱)۔ملخص من الرحلة العیاشیة ج: ۱ ص: ۵۸۸،۵۸۷

(۲)۔السمط المجید في سلاسل اهل التوحید ص: ۹۴

مختلف ممالک کوقطع کرنا شاید آج کے دور کے انسان کے لئے غیر معمولی نہ ہولیکن یہ بات آج سے صدیوں پہلے کی ہے جب تپتے ہوے صحراؤں کوعبور کرنا آسان نہیں تھا،کبھی فلسطین سے یمن کی طرف رخت سفر باندھا جاتا ہے،کبھی یمن سے حجاز کی مسافت طے کی جاتی ہے،تاریخ کہاں بتلاسکتی ہے کہ اس سفرعشق میں کیا کیا مرحلے پیش آئے تھے اوران قدسی صفات بزرگوں نے کیا کیا مشقتیں برداشت کی تھیں۔

جنوں اب منزلیں طے کررہا ہے
خرد رستہ دکھا کر رہ گئی ہے

آپ اپنی مثال ہیں،ہم لوگ:

برصغیر پاک و ہند میں حدیث کا علم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے واسطے سے پہنچا ہے۔حضرت شاہ صاحبؒ نے حجاز میں مختلف مشائخ سے استفادہ فرمایا تھا جن میں سرِ فہرست شیخ ابو طاہر المدنی ؒ ہیں۔حضرت شاہ صاحبؒ نے ان سے حدیث بھی حاصل کی تھی اورانہی سے خرقہ خلافت بھی پہنا تھا۔شیخ ابوطاہر المدنیؒ نے علم حدیث اورخرقۂ خلافت اپنے والد ماجد شیخ ابراہیم بن حسنؒ سے حاصل کیا تھا۔اسی طرح شیخ ابراہیم بن حسنؒ نے حضرت شیخ قشاشیؒ سے استفادہ فرمایا،ان سے حدیث بھی حاصل کی اوران سےخرقہ خلافت بھی پہنا نیز شیخ قشاشیؒ کی صاحبزادی سے نکاح بھی فرمایا ۔شیخ ابوطاہر المدنیؒ اسی صاحبزادی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔اسی طرح یہ سلسلہ آگے بڑھا اورشیخ قشاشیؒ نے حضرت شیخ شناویؒ سے حدیث اورخرقہ خلافت حاصل کیا اورشیخ شناویؒ کی صاحبزادی سے نکاح بھی فرمایا۔حضرت شاہ صاحبؒ سے پہلے کے ان چار بزرگوں کی آپس میں نسبی رشتہ داریاں بھی تھیں اورروحانی نسبتیں بھی تھیں۔حدیث پڑھنے والے طالب علم کی سند میں ان چار حضرات کا نام اکثر آتا ہے۔شیخ قشاشیؒ اسی سلسلے کی ایک لازمی کڑی ہیں۔

حضرت شیخ قشاشیؒ علم ظاہر اورعلم باطن میں درجہ امامت پر فائز تھے۔جہاں آپ کے تلامذہ کا حلقہ وسیع تھا وہیں آپ کے خلفاء ومریدین بھی بے شمار تھے۔آپ مسندِ حدیث کے شیخ کے طور بھی نظر آتے ہیں اور مشائخِ طریقت کی صف میں بھی دکھائی دیتے ہیں۔آپ کے قلم سے کئی شاہکار کتب منظرعام پرآئیں۔

مشیخہ ابی المواهب الحنبلي کے مصنف فرماتے ہیں کہ آپ کی تالیفات کثیر ہیں،ان میں سےتقریباً پچاس کتب موجود ہیں،مثلاً حاشية على المواهب اللدنية، حاشية على الإنسان الكامل للجيلي، حاشية على الكمالات الإلٰهية له، شرح الحكم، شرح عقيدة ابن عفيف، كتاب الفصوص، كنز الاسني في

الصلاۃ و السلام علی الذات المکملۃ الحسني اور عقیدۃ منظومۃ وغیرہ (۱)

آپ سے بڑے بڑے شیوخ نے استفادہ فرمایا مثلاً عارف باللہ عبدالرحمن مغربی ادریسی، شیخ عیسیٰ مغربی جعفری، شیخ مھنا بن عوض بامزروع، سید عبداللہ بافقیہ، بنی علوی کے سردار علماء کی ایک جماعت، یمن کے علاقہ جمعان اور دیگر علاقوں کے فقہاء وغیرہ۔

آپ کے شاگردوں کی فہرست میں آپ کے خلیفہ مجاز ابراہیم بن حسن کورانی بھی شامل ہیں۔(۲)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

"کہتے ہیں کہ ایک رات شیخ احمد قشاشیؒ نے خواب میں دیکھا کہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے انہیں خرقۂ خلافت پہنا کر اپنی ہمشیرہ ان کے نکاح میں دی ہے۔ اس کی تعبیر انہوں نے یہ سمجھی کہ ان کی وحدت الوجود کی معرفت تکمیل کو پہنچ گئی ہے، کیونکہ شیخ ابن عربی کی ہمشیرہ کے ان کے نکاح میں آنے کی تعبیر یہی ہو سکتی ہے۔

سید محمد بن علویؒ نے انہیں لکھا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے، انہوں نے مجھے فرمایا کہ احمد قشاشی سے میرا اسلام کہو اور اسے میری شفاعت کی بشارت دو، اور اس سے اگلے روز دوبارہ سید محمد بن علویؒ نے کہا کہ میں نے دوسری دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو انہیں یہ فرماتے سنا، احمد قشاشی سے میرا اسلام کہو اور اسے یہ مژدہ سناؤ کہ وہ جنت الفردوس میں میرا جلیس ہوگا۔ کہتے ہیں کہ جب کبھی گفتگو کے دوران مقامات کا ذکر آتا تو شیخ احمد فرماتے ہمارے لیے کوئی مقام نہیں اس لیے کہ ہم اہل یثرب میں سے ہیں اور خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے **یا اھل یثرب لا مقام لکم** گویا اس مقامِ بے نشان کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور یہ کہ وہ حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر کاربند تھے۔

شیخ قشاشی کے عجائبِ روزگار کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے مکمل قرآن مجید خواب کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا... ...

شیخ ابراہیم سے منقول ہے کہ ایک روز شیخ قشاشی نے میرے دل کی ایک بات کہہ ڈالی، مجھے خیال آیا کہ کاش یہ بات آج سے پہلے واقع ہوتی تو شیخ نے میری طرف کوئی توجہ نہ دی اور فرمایا کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو میں تمہیں یہ

(۱)۔مشیخۃ ابی المواھب الحنبلی ص: ۹۴

(۲)۔خلاصۃ الأثر في أعیان القرن الحادي عشر ج: ۱ ص: ۳۴۵

بات بتا تا اور نہ سمجھا سکتا۔ شیخ قشاشیؒ کی اس طرح کی کرامات اور تصرفات بے شمار روایت کی گئی ہیں۔
الغرض شیخ قشاشیؒ کی زندگی فقہاء کے طرز پر تھی اور نہ ہی خشک مزاج زاہدوں کے انداز پر، بلکہ عین سنت کے مطابق، تکلف سے خالی اور اعتدال سے عبارت تھی، آپ امراء کے ہاں کبھی نہیں جاتے تھے، اگر وہ خود ان کی زیارت کو آتے تو خوش خلقی اور بشاشت سے ان کے ساتھ ملاقات کرتے اور ہر ایک سے اس کی قدر و منزلت کے موافق سلوک فرماتے، قوم کے سردار کی بہت زیادہ عزت فرماتے۔ آپ بڑی نرمی کے ساتھ تلقین فرماتے اور زیارت کرنے والوں کو نصیحت کے بغیر نہ جانے دیتے۔
شیخ عیسی مغربیؒ نے آپ کے بارے میں کہا کہ میں جب بھی شیخ قشاشی کی محفل سے اٹھا تو دنیا میری نظروں میں حقیر ترین اور میرا نفس انتہائی ذلیل ہوتا تھا، خواہ میں کتنی بار بھی ان کے پاس حاضر ہوتا، میرا یہ تاثر اپنی جگہ برقرار رہتا''۔(۱)

ابو سالم العیاشیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے شیخ ابراہیم بن حسنؒ نے بتایا کہ شیخ قشاشی کے اصحاب میں سے جب کوئی فتوحات یا اس کے علاوہ کتاب سے کسی مشکل مقام کو پڑھتا تو حقائق پر قدرت کے باوجود شیخ قشاشی کی طرف سے اس کی اجازت نہیں ہوتی تھی، یہاں تک کہ لوگ چلے جاتے، مکان میں صرف خاص لوگ رہ جاتے اور آپ دروازہ بند کرنے کا حکم دیتے۔ عارفین کا یہی طریقہ ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ بھی حقائق کے بارے میں صرف خاص لوگوں کے سامنے گفتگو فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ ہم جانتے ہیں خاص چیز صرف خاص آدمی کے لئے ہے۔
اس پر دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان عالی شان ہے کہ لوگوں سے ان کی فہم کے مطابق بات کرو اور حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ قول بھی دلیل ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو برتن بھرے، ایک تو یہی ہے جو میں پھیلا رہا ہوں اور دوسرا وہ ہے کہ اگر اس کو پھیلاؤں تو میرا اسرا اڑا دیا جائے۔(۲)

آپ وحدۃ الوجود کے قائلین کے امام، شریعت کے مراتب کی حفاظت کرنے والے، سنت میں مہارت رکھنے والے، بہت زیادہ نوافل پڑھنے والے، روزے رکھنے والے، عقل اور وقار میں کامل تھے۔(۳)

---

(۱)۔ مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ ج: ۳ ص: ۴۵۹ تا ۴۶۲ (رسالہ: انفاس العارفین ترجمہ: سید محمد فاروق تحقیق: مفتی عطاء الرحمن قاسمی صاحب)
(۲)۔ الرحلة العاشية ج: ۱ ص: ۵۹۳
(۳)۔ خلاصة الأثر في أعيان القرن الحادي عشر ج: ۱ ص: ۳۴۵

سفرِ آخرت:

اب زندگی کی شام قریب تھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس بیٹے کے لیے قدرت نے اماں حلیمہ سعدیہ کے مزار کا پڑوس منتخب کیا تھا، زندگی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نسبی رشتے کے سائے تلے گزری تھی اور اب مزار اماں حلیمہ کی تربت کے سائے میں بننے جا رہا تھا۔ آپ کی وفات بروز پیر ۱۷ ۱۰ ۹ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی اور تدفین بقیع میں اماں حلیمہ سعدیہ کے مزار کی مشرقی جانب عمل میں آئی۔ (۱)

اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو بقعۂ نور بنائے اور آپ کا فیض تا قیامت جاری و ساری رکھے۔ آمین۔

آج کچھ لوگ مغرب کے اخلاق سوز اور انسانیت دشمن نظریات کی جگالی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بچوں کو مارنا جرم ہے، ان کو بالکل نہ مارا جائے، یہاں تک کہ ان کے نزدیک ماں باپ، کوئی سرپرست یا استاد بچوں کو مارے تو ان کو ان کے خلاف مقدمہ قائم کرنے کا حق ہے۔ آج پورا یورپ اور امریکہ اس سے دوچار ہے۔ ان کے پاس بچوں کو جرائم سے محفوظ رکھنے کے لیے کوئی اخلاقی بندش تو ہے نہیں، مار کی صورت میں اس کا ایک طاقت ور وسیلہ جو تھا وہ ان کے نزدیک خود ایک اخلاقی اور معاشرتی جرم بن چکا ہے۔ بس اب اللہ ہی حافظ ہے۔ چناں چہ بچے اب ڈھیٹ ہو کر جانوروں کی طرح آزاد ہو چکے ہیں۔ بلوغ سے پہلے ایسے ایسے گناہوں اور جرائم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ کوئی سلیم الفطرت، باحیا اور انسانوں سے ہمدردی رکھنے والا ان کو سننے کی تاب نہیں رکھتا۔

دوسری طرف کچھ لوگ بچوں کو اتنا مارتے ہیں کہ جسم پر اس کا نمایاں اثر ظاہر ہو جاتا ہے، کچھ ظالم تو ان کو زخمی کر دیتے ہیں، چمڑی اُدھیڑ دیتے ہیں، ہڈی توڑ دیتے ہیں، صورت بگاڑ دیتے ہیں۔ یہ جرم ہے اور یہ لوگ پہلی قسم کے لوگوں سے بڑے مجرم ہیں کہ بچوں کے ساتھ ان کے اس طرح کے سلوک ہی کی وجہ سے کچھ ہمدرد لوگوں میں اس کا ردِعمل پیدا ہوا تھا، مگر وہ ردِّ عمل خود حد سے تجاوز کر گیا۔

اسلام نے جو بیچ کی راہ اختیار کی ہے وہ اس کے دینِ فطرت اور دینِ رحمت ہونے کی کھلی دلیل ہے۔ مارنا کبھی ضروری ہو جاتا ہے، اس کے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔ مارنے کے موقعوں پر اگر نہ مارا جائے تو وہ بچہ تو بگڑ ہی جائے گا۔ دوسرے بچے بھی بیباک اور نڈر ہو جائیں گے۔ اور اگر بچے کی عمر کے لحاظ سے مناسب مار ماری جائے تو بچہ سہم جائے گا، سنبھل جائے گا اور بچہ بگڑنے سے محفوظ رہے گا۔ اور دوسرے بچے بھی عبرت حاصل کریں گے۔ پس اسلام نے اس کے مفصل احکام بیان کیے، مارنے کی اجازت دی، لیکن حدود متعین کیے۔ (مولانا فیصل احمد ندوی)

(۱)۔ مشیخۃ ابو المواہب الحنبلی ص: ۹۵

اہلِ مدارس اور علمائے کرام کے لئے لمحہ فکریہ

مولانا مفتی محمد نعیم میمن
فاضل دارالعلوم کراچی

دورِ جدید دورِ فتن ہے، نئے نئے فتنے مختلف شکلوں اور عنوانات کی صورت میں امتِ مسلمہ پر حملہ آور ہیں۔ انہی فتنوں میں سے ایک اہم فتنہ جدید ٹیکنالوجی کا غلط اور بے محل استعمال بھی ہے۔ ان میں سے ایک اہم جدید ٹیکنالوجی اے آئی A.I. یعنی مصنوعی ذہانت کا بے دریغ استعمال بھی ہے۔ اس جدید ایجاد کے جہاں بہت سے فوائد ہیں وہاں اس کے نقصانات بھی ہیں۔ ان میں سے ایک بڑا نقصان تعلیمی اعتبار سے اس کا استعمال ہے، خاص طور پر دینی تعلیم میں تو اس کا استعمال زہرِ قاتل ہے۔

آج کل طلبہ کرام اور خاص طور پر منتہی طلبہ کرام جن میں دورہ حدیث شریف کے طلبہ اور متخصصین فی الافتاء و الحدیث وغیرہم کے طلبہ کرام شامل ہیں، اس جدید ایجاد یعنی اے آئی A.I. کا بے دریغ استعمال کر کے اپنی اہم ترین صلاحیتوں کو زنگ لگا رہے ہیں۔ طلبہ کرام کا یہ زمانہ نہایت اہم ہوتا ہے۔ اس میں جتنا زیادہ کتابوں سے ممارست، تعلق اور انسیت اور لگاؤ بڑھایا جائے گا، اتنا زیادہ علمی رسوخ، علمی پختگی، علمی فہم، اور علمی ذوق حاصل ہوگا اور پھر یہ مہارت و اہلیت اس وقت مزید آگے پروان چڑھے گی جب کبھی اچھے ماہر اہلِ علم وتقویٰ کی صحبت ومعیت نصیب ہو جائے گی۔ جیسے حضرت شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی کو اللہ پاک نے جو علمی رسوخ اور علمی مقام عالمِ اسلام میں عطا فرمایا ہے وہ انہی کتابوں کی ورق گردانی اور محنتِ شاقہ اور خدا ترس اہلِ علم کی صحبت کا نتیجہ ہے۔ ہمارے اساتذہ کرام ہمیں ایک شعر بڑے درد سے سنایا کرتے تھے۔ بقول شاعر:

ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا
مریں گے ہم کتابوں پر ورق ہونگے کفن اپنا

مگر آج یہ شعر سنانے والے اور اس کا مصداق بننے والے بہت تیزی سے اٹھتے جا رہے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ علم اٹھ جانے کا وقت آ چکا کہ حقیقی اہلِ علم اٹھتے چلے جا رہے ہیں اور بعد والے مشینوں اور جدید آلات پر اکتفاء کرتے جا رہے ہیں، بلکہ جدید مشینوں اور ٹیکنالوجی پر علمی کام کرنے کے لئے میدانِ ٹیکنالوجی میں کود پڑے ہیں اور مختلف پراجیکٹ پر کام کرنے لگے ہیں اور اپنے تئیں یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ دینِ اسلام کی جدید دور کے مطابق اعلیٰ خدمت

کرر ہے ہیں۔ حالانکہ غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ ساری مشین اور ٹیکنالوجی کی اصل کفار کے ہاتھ میں ہے، وہ جیسے چاہے اس میں ردوبدل کردیں۔ یہ اہلِ علم اس فنی اور تکنیکی باریکی کا مقابلہ کیسے کریں گے؟۔

یہ اہلِ علم کیا واقعی اس ٹیکنالوجی کی پوری ماہیت اور حقیقت کو سمجھ چکے ہیں اور باطل کی ہر گڑ بڑ کا ادراک کرنے اور پوری طرح مقابلہ کرنے کی صلاحیت اور اہلیت اپنے اندر پیدا کر چکے ہیں؟ کیا باطل کی ٹیکنالوجی کے مقابلے میں اپنی ٹیکنالوجی بنا چکے ہیں یا باطل ہی کی بنائی ہوئی کشتی میں سوار ہو کر انہی کی کشتی کے چپو چلا رہے ہیں؟

کیا چند کورس اور ڈپلومہ کر کے جدید ٹیکنالوجی کا استعمال سیکھا جا سکتا ہے یا اس ٹیکنالوجی کی ساری ماہیت، فنی خامیاں، تکنیکی خرابیاں وغیرہ کا ازالہ اور اس کا نعم البدل وغیرہ بھی سیکھ لیا جاتا ہے؟ اللہ پاک بدگمانی سے معاف فرمائیں، ایسا لگتا ہے کہ یہ اہلِ علم لاشعوری اور غیر ارادی طور پر جدید ٹیکنالوجی سے اتنا متاثر ہو چکے ہیں کہ چند کورس اور ڈپلومہ کر کے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم اس ٹیکنالوجی کے ماہر بن چکے ہیں۔ نیز اہلِ دنیا نے اُن کی کاوشوں کو خوب بڑھا کر سوشل میڈیا پر پیش کیا ہے جس سے یہ اہلِ علم خوش فہمیوں میں مبتلا ہو گئے۔

اہلِ مدارس اور خصوصاً بڑے درجے کے اساتذہ کرام اپنے طلبہ کرام کو جدید ٹیکنالوجی کے فتنے اور خاص طور پر اے آئی A.I. کے فتنے سے خبردار کریں اور اسکے استعمال سے بچنے اور بچانے کی کوشش کریں۔ اہلِ علم کو تو یہ بات معلوم ہے جو چیز کسی نقصان کا سبب ہو سکتی ہو تو اس سببِ نقصان سے بچنا بھی ضروری ہے۔ جیسے قرآن پاک نے فرمایا کہ: **ولا تقربوا الفواحش** (سورۃ انعام آیت ۱۵۱)۔ یعنی بے حیائی کے قریب بھی نہ جاؤ یعنی بے حیائی کا سبب بھی اختیار نہ کرو کیونکہ یہ سبب ہی آگے چل کر بے حیائی میں مبتلا کر دے گا۔ اسی طرح جو چیز علمی رسوخ اور علمی فہم میں نقصان کا سبب ہو اس سے بچنا ضروری ہوگا۔

مشاہدہ میں یہ بات آ رہی ہے کہ اب طلبہ کرام اے آئی A.I. کے ذریعہ ہی امتحانات کی تیاری کر رہے ہیں اور فتاویٰ لکھنے میں بھی اس سے مدد لے رہے ہیں۔ بظاہر یہ مفید کاوش محسوس ہوتی ہے مگر آگے چل کر یہ نقصان واضح طور پر نظر آ رہا ہے کہ پھر عزیز طلبہ کتابوں کی ممارست اور اسکی برکات سے محروم ہو کر مشین کے محتاج ہو جائیں گے۔

جن لوگوں نے یہ ٹیکنالوجی ایجاد کی ہے وہ خود اپنے تعلیمی نظام (مثلاً امریکہ و یورپ کی یونیورسٹیوں جیسے یونیورسٹی آف میلبورن آسٹریلیا، یونیورسٹی آف کیمبرج برطانیہ، یونیورسٹی آف برمنگھم برطانیہ، اسٹینفورڈ یونیورسٹی امریکہ، جانز ہاپکنز یونیورسٹی امریکہ، یونیورسٹی آف شکاگو امریکہ، امپیریل کالج لندن برطانیہ، یونیورسٹی کالج لندن برطانیہ، یونیورسٹی آف ایڈنبرا برطانیہ، یونیورسٹی آف بون جرمنی وغیرہ) میں اور اپنے طلبہ کرام کو اس ٹیکنالوجی کے استعمال کی اجازت نہیں دے رہے۔ اس طرح اپنے عدالتی نظام میں بھی اس اے آئی A.I. سے مدد لینے کو قانوناً جرم قرار

دے رہے ہیں (مثلاً برطانوی ہائی کورٹ کا حالیہ فیصلہ جس میں اے آئی A.I. سے متعلق کہا گیا ہے کہ چیٹ جی پی ٹی وغیرہ قابلِ اعتماد قانونی تحقیق کرنے کے قابل نہیں ہے)۔

جن لوگوں نے یہ ٹیکنالوجی ایجاد کی ہے وہ خود بتاتے ہیں کہ یہ کمپیوٹر پروگرام خود مضمون اور بات کو گھڑتا ہے، خود سے بنالیتا ہے جو کہ غلط بھی ہوسکتا ہے۔ نیز اس میں بلی کی سمجھ اور فہم جتنا بھی دماغ نہیں ہے لہٰذا اس قسم کی مشکوک ٹیکنالوجی کو علمِ دین میں معاون کی حیثیت میں رکھنا بھی نقصان دہ ہوگا۔ لہذا یہ سمجھنا کہ ہم اس سے معاونت حاصل کرر ہے ہیں، اس پر اعتماد اور بھروسہ نہیں کرر ہے، اپنے آپ کو خوش فہمی میں مبتلا کرنا ہوگا۔ نیز اس سے طلباء کرام میں محنت کا جذبہ کم سے کم ہوتا چلا جائے گا جیسا کہ مشاہدہ میں آرہا ہے۔

لہٰذا بنانے والے خود اس کے استعمال میں احتیاط کی تلقین کریں اور ہمارے بعض اہلِ علم اس اے آئی A.I. میں مختلف جہتوں میں کام کرکے اپنی اہلیت اور صلاحیت کا لوہا (عوام کالانعام) میں منوانے لگے ہیں اور انکے کام کی خوب تحسین اور واہ واہ سوشل میڈیا پر ہورہی ہے اور خوب اس کی تشہیر ہورہی ہے۔ تو کیا ان اہلِ علم میں اتنی بھی فہم نہیں رہی کہ جس چیز کے مؤجد خود اسکے نقصانات بتائیں اور یہ اہلِ علم اس چیز کے فوائد کی چمک دمک سے اتنے متاثر ہوجائیں کہ نقصانات سے بالکل ہی صرفِ نظر کرلیں اور اپنے طلبہ کرام کو ان نقصانات سے آگاہ نہ کریں۔

بہر حال بندہ کا مقصد اہلِ علم کی مخلصانہ کاوشوں پر تنقید کرنا نہیں ہے بلکہ اہلِ علم کو متوجہ کرنا ہے کہ جس راستے پر وہ چل نکلے ہیں اور جس راستے پر ہمارے طلباء کرام جانے لگے ہیں وہ کس قدر پُرخطر اور پُرخار ہے اور ہماری صلاحیتوں کو کس قدر اور کتنا نقصان لگانے والا ہے اور مستقبل میں اس کے کیا نتائج برآمد ہوں گے۔

آج کل دینی مدارس میں بہت تیزی سے مادیت پرستی کا رجحان بڑھنے لگا ہے۔ جس مسند سے درسِ فنا ملتا تھا اور دنیا کی بے رغبتی کا درس دیا جاتا تھا آج اسی مسند سے جدید ٹیکنالوجی کے خوب استعمال اور اس میں انہماک اور دنیا میں آگے سے آگے بڑھنے کا درس مل رہا ہے۔ اہلِ دنیا کو دینِ اسلام کی تبلیغ وترویج واشاعت کے لئے اس سوشل میڈیا کے استعمال کا سبق دیا جارہا ہے۔ یہ سب باتیں مشاہدہ اور حقیقت پر مبنی ہیں نہ کہ فرضی داستان اور سنی سنائی پر اعتماد۔ بندہ حیاۃ الصحابہ کو پڑھتا ہے، اکابر کی زندگی کو قریب سے دیکھا ہے، ہر جگہ قولاً، فعلاً، عملاً ہر طرح اور ہر جہت سے دنیا کی بے رغبتی اور مادیت پرستی سے اجتناب نظر آیا مگر اب جب اپنے عزیز طلباء کرام کی زندگی دیکھتا ہوں اور بعض اہلِ علم کی زندگی کا مشاہدہ ہورہا ہے وہ بالکل برعکس ہے۔ یہ اہلِ علم اپنی نسبت، تعلق اکابر سے ظاہر کرتے ہیں مگر اکابر کا رنگ ان میں نظر نہیں آتا۔ اللہ پاک ہم سب کو ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ و مامون فرمادیں اور اپنی رضا و قرب سے نوازدیں، آمین۔ ☆☆☆

مطالعے کی میز سے

''مطالعے کی میز سے'' ہلکے پھلکے مختصر مضامین؛اور اقتباسات کا سلسلہ ہے،جس میں کوشش ہوتی ہے کہ اکابر علماء ومشائخ کے تفسیری،حدیثی علمی نکات،تاریخی واصلاحی نوادر،نادر احوال ومشاہدات اور سبق آموز واقعات پیش کیے جائیں۔

محمد احمد حافظ

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ حضرت جلال الدین چشتی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد میں سے ہیں۔آپ کا نسب امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

آپ پانی پت میں ۱۱۴۳ھ/۱۷۳۱ء میں پیدا ہوئے۔سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔پھر علوم نقلیہ و عقلیہ کی تحصیل میں مشغول ہوگئے۔پانی پت سے تحصیل علم کے بعد دہلی آ کر حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ اور حدیث میں درس لیا۔صفائے ذہن، جودتِ طبع، قوت فکر اور سلامت عقل میں آپ زائد الوصف تھے۔آپ نے صغر سنی میں ہی حضرت حافظ محمد عابد لاہوری سنامی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سے علم طریقت حاصل کیا، پھر انہی کے حکم پر حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی اعلیٰ تربیت کی بدولت مقامات نقشبندیہ پر فائز ہوئے۔آپ اٹھارہ سال کی عمر میں ظاہری علوم کی تکمیل اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی اجازت وخلافت حاصل کر کے اپنے وطن پانی پت پہنچے اور اشاعت علم اور فیض باطن وارشاد پر مامور ہوئے۔

آپ نے چھوٹی بڑی تیس سے زائد تصنیفات وتالیفات یادگار چھوڑی ہیں۔جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔وصیت نامہ (فارسی)۔۲التفسیر المظہری (عربی) ۳۔مالا بدمنہ (فارسی)۔۴۔ارشاد الطالبین۔۵۔جواہر القرآن (آیاتِ قرآنی کا اشاریہ) ۶۔حقوق الاسلام۔۷شہاب ثاقب۔۸۔تذکرۃ الموتیٰ۔۹۔تذکرۃ المعاد۔۱۰۔رسالہ در ابامت وحرمت سرود (فارسی) ۱۱۔رسالہ در مسئلہ سماع وحدت وجود۔۱۲۔السیف العلوم۔۱۳۔رسالہ در ردِ مذہب شیعہ۔۱۴۔رسالہ حرمت متعہ۔۱۵۔رسالہ پنج روزی (علمِ اصول میں) ۱۷۔رسالہ احقاق (در رد اعتراضات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ) ۱۷۔رسالہ در جواب شبہات پر کلام امام ربانی (شیخ احمد سرہندیؒ)

(بحوالہ: تاریخ وتذکرہ خانقاہ مظہریہ دہلی/تالیف: ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا)

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا اندازِ فکر:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نوراللہ مرقدہ نے عامۃ المسلمین میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت وعظمت کا نقش بٹھانے کے لیے ''حکایات صحابہؓ'' تالیف فرمائی۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں آپ کا اندازِ فکر کیا تھا؟ وہ ذیل کے اقتباس سے واضح ہوتا ہے۔یہ اقتباس ہم سب کے لیے اور خصوصاً جدید محققین کے لیے سرمۂ بصیرت ہے۔آپ اپنے رسالہ ''شریعت وطریقت کا تلازم'' میں فرماتے ہیں:

''بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعض بڑی بڑی خطائیں سرزد ہوجانے پر کبھی بھی خلجان طبیعت میں نہیں آیا۔ جب کہ مشائخ عظام سے ایسی خطاؤں کا صدور بعید تر ہے،اور کوئی بڑے سے بڑا شیخ بھی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے برابر نہیں ہوسکتا،تو ان کی معاصی کی روایات پر اللہ کے فضل سے مجھے کبھی کوئی اشکال نہیں ہوا۔اکابر کی جوتیوں اور احادیث کی برکت سے ان کے متعلق ہمیشہ یہی ذہن میں رہا کہ یہ افعال ان حضرات سے تکمیلِ (دین) کے لیے تکوینی طور پر کرائے گئے۔۔''تومشق ناز کر،خونِ دوعالم میری گردن پر!''

ان اَنفاس قدسیہ نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ آپ اپنی شریعت مطہرہ کی تکمیل کیجیے،ہم اس کے لیے سنگسار ہونے کو تیار ہیں،ہاتھ کٹانے کو تیار ہیں،کوڑے کھانے کو تیار ہیں۔یہی میرے نزدیک مصداق ہیں،آیتِ کریمہ:

''بس یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔''

اور یہی مصداق ہیں احادیثِ مغفرت کے کہ جس میں ہے کہ بعض خوش نصیبوں کو کہا جائے گا کہ ہر گناہ کے بدلے ایک نیکی دے دو۔''(شریعت وطریقت کا تلازم)

یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ بڑے مدرس تھے یا بڑے مربی:

مولانا نورعالم خلیل امینی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''وہ کوہ کن کی بات'' شیخ الادب مولانا وحیدالزماں کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح ہے،اس کتاب میں آپ نے اپنے استاذِ گرامیؒ کی شخصیت کو جس طرح اُجالا اور خراج عقیدت پیش کیا ہے؛ اہ انہی کا حصہ ہے۔ان کی ایسی نادر خصوصیات کا ذکر کیا ہے جو ہمارے مدرسین کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ مولانا نورعالم خلیل امینی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

''مولانا کا سبق ''سنجیدگی'' کے طویل،خشک اور صبر آزما مفہوم سے نا آشنا ہوتا۔وہ تفریحی جملوں سے ہمیشہ کلاس کو زعفران زار بنائے رکھتے۔ان کا دل چسپ اندازِ گفتگو، پُرلطف نکتہ سنجی،زیرِ درس مسئلے پر مرتب اور وضاحت

وبلاغت آمیز تقریر؛ پھر دین ودنیا، زندگی وکائنات، حال ومستقبل، ایمان ویقین، تعلیم وتربیت اور اخلاق وآداب کے حوالے سے بلیغ اشارے؛ اس پر مستزاد ہوتے۔ ان سب وجوہات کی بنا پر طالب علم از اول تا آخر سراپا شوق و ذوق بن کر ان کا درس سنا کرتا۔ بعض دفعہ مریض ہونے کے باوجود، طالب علم کوشش کرتا کہ ان کا سبق چھوٹنے نہ پائے، کہ صرف ایک گھنٹے میں خیر کثیر ہاتھ سے رہ جائے گا۔ طالب علم ان کی درس گاہ سے نکلتا تو اس کی طبیعت میں بشاشت ہوتی، اس کا دل مسرور ہوتا، اور اس کا حافظہ جہاں اس مضمون میں بہت کچھ سمیٹ لیتا جو مولانا نے پڑھا ہوتا، وہیں وہ بے شمار آدابِ زندگی کی آگہی بھی حاصل کر لیتا۔

مولانا کے متعلق یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ بڑے مربی تھے یا بڑے مدرس، ان کا درس ہمیشہ تعلیم وتربیت، دونوں کا حسین مجموعہ ہوا کرتا، وہ صرف متعلقہ مضمون کو اچھا برا، پڑھا دینے کی قدرت نہیں رکھتے تھے۔ ان کی تدریسی صلاحیت ایسی تھی کہ مدارس اسلامیہ میں رائج کسی بھی مضمون کو وہ خوبی اور کامیابی کے ساتھ طالب علموں کے ذہنوں میں اتار دیتے۔ (''وہ کوہ کن کی بات'' مولانا نور عالم خلیل امینیؒ)

ہمارے اکابر کیسے تھے؟

استاذی وشیخی حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ جامعہ فاروقیہ کے دفتر میں صبح اپنے مخصوص اوقات میں تشریف لاتے، خطوط کے جوابات دیتے، لوگ ملاقات کے لیے آتے اور ہر شخص آپ سے ملاقات کر سکتا تھا، آپ سے ٹائم لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ 2006 میں حضرت استاذی پاکستان سے ایک وفد کے ہمراہ حکومتی دورے پر انگلینڈ تشریف لائے، آپ کا قیام فائیو اسٹار ہوٹل میں تھا جہاں ہر قسم کی سہولیات موجود تھیں؛ مگر دورہ سے فراغت کے بعد ہوٹل چھوڑ کر میرے یہاں مسجد تشریف لائے، مسجد کی لائبریری میں ہم نے فرشی بستر لگایا، آپ نے تین دن اسی بستر پر گذارے، میں نے بہت کہا کہ آپ کو انگلینڈ دکھاتے ہیں مگر مسجد سے باہر کہیں تشریف نہیں لے گئے۔ مفتی نظام الدین شامزی رحمۃ اللہ علیہ اور استاذِ محترم حضرت مولانا یوسف کشمیری دامت برکاتہم جامعہ فاروقیہ کراچی کے قدیم اساتذہ میں سے تھے، دونوں حضرات جامعہ کے دو عظیم ستون تھے، مگر ان حضرات کی تواضع کی حالت یہ تھی کہ ہم نے انہیں قربانی کے دنوں میں جامعہ میں کئی سو قربانی کی کھالیں سوزکیوں میں ڈالتے ہوئے دیکھا ہے۔ میرے والد محترم آخری عمر میں آنکھوں کی تکلیف میں مبتلا تھے، صبح تدریس کے بعد گھر تشریف لاتے اور ظہر کے بعد قیلولہ فرماتے تھے، اس وقت بھی کوئی مہمان آجاتا تو فوراً ملاقات کے لیے بیٹھک تشریف لے آتے، ایک مرتبہ ہم نے کوشش کی کہ ظہر کے وقت ان کو کسی سے ملاقات کے لیے زحمت نہ دیں، انہیں پتہ چلا تو اس پر ہمیں ڈانٹا کہ وہ میرے مہمان ہیں تمہارے نہیں، جب بھی مہمان آئیں مجھے ضرور اٹھانا، انہوں نے سادی اور بے تکلف زندگی

گذاری، مدرسہ کی تدریس، پانچ نمازوں کی امامت، روزانہ قرآن وحدیث کا درس، محلے کے عوام کے مسائل کا حل، شادی بیاہ اور غمی میں شرکت، سب کچھ کیا کرتے تھے، ہمارے اکابرین ایسے تھے۔ (امام عطاء اللہ خان۔ انگلینڈ)

یہ تھے حضرت مولانا محمد سعیدی رحمہ اللہ:

مظاہر علوم بڑا تعلیمی ادارہ ہے۔ آئے دن لوگ آپ کی خدمت میں تدریس، ملازمت اور سفارت کی آس لے کر حاضر ہوتے تھے۔ ناظم صاحب کا معمول اس باب میں بہت عجیب وغریب تھا۔ وہ جس کو مظاہر علوم میں لانا یا بلانا چاہتے تھے تو پہلے اس استاد کے پڑھائے ہوئے طلبہ سے از راہِ گفتگو تحقیق حال و تفتیشِ مآل کرتے تھے۔ پھر کسی معتبر کے ذریعہ اس استاد کی درسی تقریر منگوا کر خوب سنتے اور پتا لگالیتے کہ استاد اپنے سبق کی تیاریوں میں کن متون وشروح کا مطالعہ کرتا ہے۔ گفتگو کا انداز خالص مدرسانہ ہے یا مقررانہ؟ آپ ہمیشہ چاہتے تھے کہ تقریری انداز تدریس میں نہیں ہونا چاہیے۔ دورانِ درس خالص علمی لب ولہجہ اور وقار ومتانت کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ لوگ آپ کے پاس درخواست لے کر آتے تو سب سے پہلے درخواست ہی مرکزِ توجہ ہوتی۔ درخواست کا مضمون پڑھتے، املاء اور تحریر پر توجہ دیتے، انداز کو سمجھتے، دستخط سے ہی اس کی شخصیت کو ناپتے، پھر بات چیت شروع کرتے اور بالکل ظاہر نہ ہونے دیتے کہ اس شخص کا گویا ایکسرے اور الٹرا ساؤنڈ بھی ہو رہا ہے۔ ویسے بھی یہ بتانا ضروری ہے کہ انٹرویو دیتے وقت بہت سی باتوں کا خیال ولحاظ رکھنا از بس ضروری ہے۔ چنانچہ: لب ولہجہ نرم مگر پُراعتماد ہونا چاہیے۔ آواز میں جھجک یا غرور نہ ہو۔ سنجیدگی و متانت ہو۔ بلا وجہ قہقہے یا گھبراہٹ سے پرہیز کیا جائے۔ سوال چاہے علمی ہو یا غیر علمی، ہر سوال کا جواب سوچ سمجھ کر اور ناپ تول کر دینا چاہیے۔ وقار وتمکنت اور توازن ہو۔ نہ زیادہ بناوٹی پن ہو نہ حد سے زیادہ بے تکلفی۔ خود اعتمادی نہایت ضروری ہے۔ اگر نگاہ ملانے کی ضرورت ہو تو اس میں بھی سلیقہ پن کا اظہار ہونا چاہیے۔ جواب دیتے وقت ڈگمگاہٹ نہ ہو۔ زبان پر لرزش نقصان دہ ہے۔ شخصیت کا نکھار بھی ہو۔ لباس بے داغ وغبار ہو۔ جسمانی حرکات سے شرافت ٹپکے۔ نشست وبرخاست سے سنجیدگی مترشح ہو۔ الفاظ منتخب اور جملے مختصر ہوں۔ غیر ضروری باتوں یا رٹے رٹائے جملوں سے بچنا نہایت ضروری ہے، ورنہ انسان ایسی جگہ رسوا ہوتا ہے کہ کوئی سنبھالنے والا بھی نہیں ہوتا۔ داخلے اور سلام کرنے کا سلیقہ، نیز کرسی یا مسند پر بیٹھنے، ہاتھ ملانے اور الوداع کہنے میں اعتدال ہو۔ اُلجھی ہوئی شکل وصورت، گرد آلود چہرہ اور داغ دار کپڑے نقصان دے جاتے ہیں۔ جو پوچھا جائے وہی بتائیں۔ اپنی خاندانی وجاہت، شرافت اور آباء واجداد کے قصے ہرگز نہ سنائیں کیونکہ آپ کے آباء واجداد آپ ہی کے لئے اہم ہیں، باقی کے لئے نہیں۔ موضوع سے نہ ہٹیں۔ اپنی گفتگو میں تکرار اور تضاد سے بچیں۔ ادھر اُدھر کی نہ ہانکیں۔ (ناصر الدین مظاہری)

مقالات ومضامین

تاریخی درس گاہ

جامعہ ڈابھیل کا صد سالہ اجلاس؛ چند تاثرات

جناب راشد اسعد فاضل جامعہ ڈابھیل

گزشتہ ماہ برصغیر کی تاریخی درس گاہ ''جامعہ ڈابھیل'' میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ کے ورود مسعود کے سو سال مکمل ہونے پر ایک یادگار صد سالہ پروگرام منعقد ہوا۔حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری مدظلہم کی صدارت میں مقالات پڑھے گئے، حجرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو خراج عقیدت پیش کیا گیا، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، آپ کے سینکڑوں تلامذہ برصغیر پاک وہند میں پھیلے ہوئے تھے۔اور آج ان کے شاگردوں کے شاگرد اطراف واکناف عالم میں اپنی دینی خدمات میں مصروف ہیں۔جامعہ ڈابھیک کے صد سالہ پروگرام کی یہ روداد اسی مناسبت سے پیش کی جارہی ہے۔

دن اتوار کا، تاریخ اگست کی 31، سال 2025 عیسوی بمطابق 7 ربیع الاول 1447 ہجری۔یہ دن بہت انتظار کے بعد آیا اور اس برق رفتاری سے رخصت ہوا کہ کب شام ہوگئی اور دن تمام ہوا پتہ ہی نہیں چلا۔

جی ہاں! مشہور ومشاہد ہے کہ زندگی کے حسین لمحات اور یادگار ایام اسی طرح آیا جایا کرتے ہیں مگر دل ودماغ پر پڑنے والے ان کے اثرات پائیدار اور فکر ونظر پر مرتسم ہونے والے نقوش انمٹ ہوتے ہیں۔

جامعہ ڈابھیل میں جبال علم اور اساطین فن (جن کے قافلہ سالار علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ ہیں) کے قدوم میمنت لزوم کو سو سال مکمل ہوئے، اسی مناسبت سے جامعہ نے اپنے فرزندان کو یاد کیا اور مدعو کیا۔سارے فرزندان شوق کے کاندھوں پر محبت کے پروں پر اپنی مادر علمی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے افتاں وخیزاں حاضر ہوئے اور اپنی سعادت مندی کا ثبوت دیا۔

یہ وہی جامعہ ڈابھیل ہے جس کے بارے میں علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ اپنے طویل قصیدے میں

رطب اللسان ہیں:

فدع عنک لیلی و سعدی وھندھم
فجامعة الاسلام فیھا جمیعھا
ودع ذکر سلمی وحدیث سعادھم
فھذہ مغانی العلم وراقت ربوعھا
ونادتنی الاشواق مھلا
فھذہ حدائق فیھا للقلوب نجوعھا

اے دل! اب لیلی سعدی اور ہند کے ذکر سے تجھ کو کیا فائدہ؟ جبکہ جامعہ اسلامیہ میں تمام موجود ہیں، پس لیلیٰ اور سعاد کے قصہ سے درگذر کر کیوں کہ یہاں علم وفضل کے خوش منظر عالیشان دل کش محلات موجود ہیں میں یہاں سے گزرا تو عواطف شوق نے مجھ کو ٹھہرالیا کہ یہی وہ باغات ہیں جہاں دلوں کی پیاس بجھتی ہے۔(تاریخ جامعہ ڈابھیل ص29)

جامعہ ڈابھیل ایک تابناک وقابل فخر ماضی بہترین ولائق صد رشک حال اور شاندار وامید افزا مستقبل کا حامل ادارہ ہے۔اسی وجہ سے ہر عہد وزمانہ میں یہ جامعہ مرجع خلائق اور مرکز علم وفن بنا رہا ہے۔اس کی علمی ودعوتی خدمات اور اصلاح وتجدید کے کارنامے زبان زد خاص وعام رہے اور خلق خدا کی زبان پر توصیفی ارشادات اور تعریفی کلمات نقارہ خدا ثابت ہوئے۔

راقم سطور کا احساس ہے کہ جامعہ کی نیک نامی میں احمد نام کی شخصیات کو بھی بڑا دخل ہے کہ ناموں کے اثرات مسلّم ہیں۔ چنانچہ جامعہ کے بانی احمد حسن بھام صاحب نے جامعہ کا قیام بھی جناب صوفی احمد میاں لاجپوری کی دعاؤں سے کیا، مہتمم مولانا احمد بزرگ اور مدرس اول قاری احمد درویش صاحب اور پھر آگے چل کر احامد ثلاثہ، موجودہ مہتمم مولانا احمد بزرگ، ماضی قریب میں رحلت فرما جانے والی عظیم شخصیت قاری احمد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ اور ہمارے مخدوم ومطاع بقیۃ السلف حضرت مفتی احمد خانپوری مدظلہ ہیں۔

اس عظیم الشان جامعہ نے اپنی زندگی کی ایک سو بیس روح پرور بہاریں مکمل کیں اور قافلہ انوری کے ورود مسعود کو سو سال مکمل ہوئے۔ گویا یہ پوری ایک صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں، اس صدی میں جامعہ میں انیس شیوخ الحدیث ہوئے جن میں ایک سرے پر انور ہیں تو دوسرے سرے پر احمد ہیں۔اس پورے سو سال میں تقریبا چار ہزار چورانوے افراد حدیث کی سند حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوئے جو صرف ملک کے طول وعرض ہی میں نہیں

بلکہ پورے برصغیر میں اوراس سے آگے بڑھ کر دنیا کے مختلف علاقوں میں دینی ودعوتی خدمات میں سرگرم عمل ہیں۔

یہ صد سالہ اجلاس دراصل انہیں اکابر کی خدمات کا اعتراف نامہ اور جذبہ احسان شناسی اور احساس منت کشی کے اظہار کا خوب صورت عنوان تھا۔ یہ صد سالہ اجلاس اپنی نوعیت کا ایک منفرد اور ممتاز اجلاس تھا جس میں کسی قسم کی آفیشیل تصویر کشی اور ویڈیو گرافی نہیں کی گئی، سختی سے منع بھی کیا گیا تھا، جو موجودہ زمانے کی بے ڈھنگی چال کے دلدادوں اور مادیت کے ماروں کے لیے انتہائی حیران کن اور ناقابل یقین ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اجلاس کو لوگ کہہ رہے ہیں کہ وہ توجہ نہیں ملی جو اس کا حق تھا یعنی اخباروں میں اس کی تصاویر نہیں شائع ہوئیں اور نیوز چینلز نے کوریج نہیں دیا وغیرہ وغیرہ، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جامعہ ڈابھیل کے اس صد سالہ اجلاس کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا اور یہ اپنے مقصد میں سوفی صد کامیاب اجلاس رہا۔ راقم سطور کو سب سے زیادہ سبق آموز اور قابل تقلید جو بات اس اجلاس کی پسند آئی وہ یہی نام ونمود سے دوری اور جانداروں کی تصویر کشی وویڈیو گرافی سے مکمل اجتناب ہے۔

انوکھی وضع ہے، سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یا رب رہنے والے ہیں
نہ پُوچھو مجھ سے لذّت خانماں برباد رہنے کی
نشیمن سینکڑوں میں نے بنا کر پھونک ڈالے ہیں

شکر ہے کہ ایسے لوگوں سے ملتا ہے شجرہ میرا، اس شان میں اگر میں کہوں کہ جامعہ ڈابھیل پورے برصغیر میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں ممتاز ومنفرد ہے تو یقینا مبالغہ نہیں ہوگا، بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کو افسوس صد افسوس دینی اداروں نے بھی فراموش کر دیا فإلی اللہ المشتکی۔

اس صد سالہ اجلاس میں قافلہ انوری میں شامل بزرگوں کی حیات وخدمات پر شاندار مقالے پڑھے گئے اور اساتذہ نے فضلاء کو بیش قیمت نصائح سے نوازا جو آب زر سے لوح دل پر لکھنے کے قابل ہیں اور ہمارے لیے بالیقین مینارہ نور اور مشعل راہ ہیں۔ یہ بڑا تاریخی اجلاس ہوا برسوں اس کی یادیں ذہنوں میں تازہ رہیں گی اور زبانوں پر اس کے چرچے رہیں گے۔

☆☆☆

تدریب المعلمین برائے شعبہ حفظ وتجوید، ضلع پشاور

مولانا مفتی سراج الحسن
میڈیا کوآرڈینیٹر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

آج مورخہ 18 ستمبر 2025ء بروز جمعرات، جامعہ امداد العلوم الاسلامیہ مسجد درویش، پشاور صدر میں ایک نہایت کامیاب، شاندار اور مثالی تربیتی تدریب منعقد ہوئی۔ یہ پروگرام مسئولِ حفظ پشاور وخیبر اور مدیرِ جامعہ ہٰذا جناب حافظ محمد داود فقیر صاحب کی سرپرستی اور نگرانی میں انعقاد پذیر ہوا۔ اس نشست میں ضلع پشاور کے شعبۂ حفظ و تجوید سے وابستہ اساتذہ کرام کی بڑی تعداد شریک ہوئی۔ سب سے پہلے ماہر اور تجربہ کار مدرّبین نے اپنے اپنے مفوضہ موضوعات پر نہایت سیر حاصل اور علمی گفتگو فرمائی، جس سے اساتذہ کرام کے لیے رہنمائی اور حوصلہ افزائی کے نئے پہلو سامنے آئے۔ مدرّبین کی مفید نشستوں کے بعد دو اہم شخصیات کے تربیتی خطابات ہوئے: رکنِ عاملہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان، شیخ الحدیث حضرت مولانا سید عبدالبصیر شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ، ناظم وفاق المدارس العربیہ پاکستان صوبہ خیبر پختونخوا حضرت مولانا حسین احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ، ان دونوں حضرات نے نہایت بصیرت افروز اور ولولہ انگیز کلمات ارشاد فرمائے، جنہوں نے شرکاء کے دلوں میں قرآنِ کریم کی خدمت کا شوق تازہ کر دیا۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان، جامعہ امداد العلوم الاسلامیہ مسجد درویش پشاور صدر کی انتظامیہ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے اور اس شاندار، منظم اور کامیاب تدریب کے انعقاد پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس تربیتی نشست کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اس کے مثبت اثرات کو دور رس اور پائیدار بنائے۔ آمین۔

خطابات کا خلاصہ: تدریب المعلمین سے رکن عاملہ وفاق حضرت مولانا سید عبدالبصیر شاہ صاحب نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ الحمدللہ! یہ نشست ''تدریب المعلمین'' محض ایک رسمی اجتماع نہیں بلکہ قرآنِ مجید کی خدمت سے وابستہ حضرات کے دلوں کو جلا بخشنے کا ایک ذریعہ ہے۔ آپ نے اساتذۂ کرام کو یہ باور کرایا کہ: ''آپ بالذات قرآن کے خادم ہیں۔ یہ خدمت محض ملازمت یا تدریسی ذمہ داری نہیں بلکہ ایک عظیم نعمت اور شرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے کلام کی امانت سپرد کی ہے۔ یہ وہ خدمت ہے جو نہ صرف دنیا میں عزت کا باعث ہے بلکہ آخرت میں قبر کے اندھیروں کو نور، میدانِ حشر کی گھبراہٹ کو سکون اور پل صراط کی سختیوں کو آسانی میں بدل دے گی۔''

حضرت نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ بہت غیور ذات ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بندہ قرآن کی خدمت کے لیے اپنی عمر، وقت اور توانائیاں لگاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی قربانی کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ دنیا و آخرت میں اس کے ساتھ اپنے غیرتِ کاملہ کے تقاضے کے مطابق معاملہ فرماتا ہے۔ آپ نے اس حقیقت کو اجاگر کیا کہ قرآن کی خدمت کے ساتھ مشقت جڑی ہوئی ہے۔ یہ مشقت محض بوجھ یا تھکن نہیں بلکہ اللہ کی محبت کی نشانی ہے۔ جس بندے کو قرآن کی خدمت میں محنت اور مشقت اٹھانی پڑتی ہے، حقیقت میں وہ اللہ کے قریب ہو رہا ہے۔ استاد کے کندھے پر یہ تھکن اور یہ بوجھ اُس درخت کی مانند ہے جس کے سائے تلے آنے والے ہزاروں طلبہ سکون اور نور پاتے ہیں۔ قرآن کی خدمت کو بوجھ نہ سمجھیں بلکہ اسے اللہ کی طرف سے ایک عظیم انعام جانیں۔ آپ کے ہر لمحے، ہر حرف اور ہر سبق کا حساب اللہ کے ہاں محفوظ ہے۔ جب آپ ایک بچے کو ''ق'' اور ''ک'' کے فرق سے آگاہ کرتے ہیں یا تجوید کی باریکیاں سکھاتے ہیں تو حقیقت میں آپ قرآن کے حرف حرف کے محافظ ہیں۔ یہی خدمت قیامت کے دن آپ کے حق میں سب سے بڑی شفاعت ہوگی۔ قرآن کی خدمت ایک ایسی نعمت ہے جو آپ کو دنیا میں بھی فائدہ دے گی، آخرت میں بھی۔ اسے اپنی زندگی کی اصل کمائی اور سعادت سمجھیں۔''

ناظمِ وفاق المدارس العربیہ، حضرت مولانا حسین احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے خطاب میں سب شرکاء کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ میں آپ سب کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اس تدریبی نشست میں شرکت فرمائی اور شعبۂ حفظ و تجوید کی خدمت کے لیے اپنا قیمتی وقت نکالا۔ کلماتِ تشکر کے بعد آپ نے درج ذیل نکات پر مفصل خطاب فرمایا، جس کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے:

مقصدِ تدریبات: (1) یہ تدریبات اس ایک مقصد کے لیے ہیں کہ ہمارے مدارس میں شعبۂ حفظ و تجوید کو وہ مقام اور توجہ ملے جو اس کے شایانِ شان ہے۔ قرآنِ کریم ہماری سب سے بڑی کتاب ہے ہمارے مدارس میں اس سے بڑی کتاب کوئی نہیں۔ تمام برکات اسی کی وجہ سے ہیں۔ اگر کسی مدرسہ میں شعبۂ حفظ موجود نہ ہو تو مدرسہ مکمل تصور نہیں کیا جا سکتا۔ صرف درسِ نظامی سے مدرسہ نامکمل رہ جاتا ہے، جبکہ اگر کسی مدرسہ میں صرف ناظرہ، حفظ اور تجوید کا شعبہ ہو تو اس کو مکمل مدرسہ کہا جاتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ شعبۂ حفظ کو ممتاز کیا جائے، اس کے لیے مناسب درس گاہ، معیاری انتظام اور بہترین ماہر اساتذہ ہوں۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے عام مزاج میں شعبۂ حفظ مظلوم رہا ہے، حالانکہ یہ سب سے اہم شعبہ ہے۔ اس لیے اہلِ مدارس شعبۂ حفظ کی طرف توجہ دیں، اس کی واضح نگرانی، مشاورت اور سہولتیں فراہم کریں۔

(2) استادِ قرآن: قرآن کا استاد سب سے اہم استاد ہے۔ اسے اس مقام کے مطابق عزت، سہولتیں اور مدتِ

تعین چاہیے۔حدیثِ مبارکہ کے تحت ہمیں قرآن کے معلمین کو قدر سے نوازنا چاہیے۔

(3) اخلاص واستقامت: استادِ حفظ کو چاہیے کہ وہ اخلاص کے ساتھ استقامت اختیار کرے۔ مستقل مزاجی ہی بہترین نتائج دیتی ہے۔ چھوٹی موٹی خفگیوں پر استعفیٰ دینے یا مقام بدلنے سے گریز کریں۔ جو استاد ہر سال جگہ بدلتا رہتا ہے، وہ اپنا ایک شاگرد بھی ایسا نہیں بتا سکتا جس نے پورا قرآن اوّل تا آخر اس سے حفظ کیا ہو، مگر جو استاد چند سال ایک جگہ ثابت قدم رہے، اس کے کئی شاگرد مکمل حافظ بن سکتے ہیں۔

(4) طلبہ امانت ہیں: طلبہ ہمارے پاس بہت بڑی امانت ہیں۔ والدین کی طرف سے یہ بہت بڑا اعتماد ہے کہ وہ اپنے جگر گوشے کو ہمیں حوالہ کرتے ہیں باوجودیکہ مدارس کے خلاف منفی پروپیگنڈا ہوتا ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدرسہ میں دو چیزیں امانت ہیں: پیسہ اور طلبہ؛ اور طلبہ پیسوں سے بڑھ کر امانت ہیں۔ اس لیے ہم سے اس امانت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ بس اس نقطے کو اپنے دل میں بٹھائیں: یہ بچے ہمارے بیٹے اور چھوٹے بھائی ہیں، تو ہم سے کبھی بھی کوتاہی نہیں ہوگی۔ ہمارا رویہ ہمارے ذہن کی عکاسی کرتا ہے۔ اگر کسی طالب علم کے بارے میں ذہنیت رحمت ومحبت والی ہوگی تو رویہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ لہٰذا اپنے ذہنوں کو بدلیں تو عمل خود بخود بہتر ہو جائے گا۔

(5) تربیت کی فکر: روزانہ کم از کم بیس منٹ تا آدھا گھنٹہ تربیتی نصاب پڑھانے کی پابندی کریں۔ بچوں کو عقیدہ، اخلاق اور عملی شرعی مسائل خاص طور پر سکھائیں۔ اپنے شاگردوں کی تربیت کو اپنی اولین ذمہ داری سمجھیں۔ ان کی علمی واخلاقی تربیت کے لیے استقامت، صبر اور خلوصِ نیت ضروری ہیں۔

(6) سزا کا خاتمہ: اپنی درس گاہوں سے جسمانی سزاؤں کے تمام اسباب ختم کریں۔ مار پیٹ سے بچے کو حافظِ قرآن بنانا فرض نہیں۔ اگر بچے میں حفظ کا شوق اور اہلیت نہیں تو اس کو دوسرے مناسب راستوں پر رہنمائی دیں۔ وفاق المدارس کے ضوابط کی روشنی میں مار پیٹ سختی سے منع ہے، اس سے اجتناب کریں۔ مار پیٹ سے مدارس کی بدنامی ہوتی ہے، ہم دفاعی پوزیشن میں چلے جاتے ہیں۔ جسمانی سزاؤں کے متبادل پر غور وفکر کریں اور اپنے مدارس میں اس کو رواج دیں۔

(7) شاگردوں کے لیے خصوصی دعا: اپنے شاگردوں کے لیے خصوصی دعاؤں کا اہتمام کریں۔ ان بچوں کے لیے دعاؤں کا اولین فائدہ ہمیں پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس عظیم فریضے کو احسن طریقے سے انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے، ہمارے مدارس کو استحکام دے، اور ہمیں قرآن وسنت کی حقیقی پیروی کرنے کی توفیق بخشے۔

تبصرہ کتب

حفظ کا بہترین استاذ کیسے بنیں؟

تصنیف: مولانا قاری عطاء اللہ شاہ۔ صفحات: ۲۲۵۔ طباعت: مناسب، کارڈ کور۔ قیمت: لکھی نہیں۔ ملنے کا پتا: جامعہ دارالسلام نوشہرہ (کے پی کے) رابطہ نمبر 0334-8809869

خوش نصیب ہیں وہ طلبہ جنہیں حفظ کی سعادت نصیب ہوجائے اور خوش قسمت ہیں وہ اساتذہ جنہیں بچوں کو قرآن کریم پڑھانا اور یاد کرانا نصیب ہو، یہ قرآن کریم کا معجزہ ہے کہ اتنی بڑی کتاب معصوم بچے اپنے سینوں میں محفوظ کرلیتے ہیں اور دنیا وآخرت کی سعادتیں سمیٹتے ہیں۔

الحمدللہ ہمارے دیار میں بچوں کو قرآن کریم حفظ کرانے کا ذوق بے پایاں ہے اور ہمارے دینی مدارس حفظ کے بچوں سے آباد ہیں۔ حفظ قرآن کریم میں طالب علم اور استاد کی محبت وشفقت کا باہمی ربط اہم کردار ادا کرتا ہے۔ استاذ دلِ دردمند رکھتا ہو، محنتی اور شفیق ہو، آخرت اس کے پیش نظر رہے تو یہ منزل بآسانی طے ہوجاتی ہے۔

زیرنظر کتاب کے مندرجات استاد اور طالب علم کے اسی ربط وتعلق کو نہایت دلنشین انداز میں اُجاگر کرتے ہیں۔ اس کتاب میں وہ قیمتی گُر بتائے گئے ہیں جنہیں اپنا کر اساتذہ حفظ اپنے آپ کو کامیاب اور محبوب ومشفق استاد بنا سکتے ہیں۔ کتاب میں نہایت دِلسوزی کے ساتھ وہ غلطیاں بھی تفصیل سے بتائی گئی ہیں جن کی وجہ سے بعض طلبہ حفظ قرآن کی سعادت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اس بات کا اندازہ کتاب کی فہرست دیکھنے سے ہی ہوجاتا ہے۔

مثلاً: استاد کی طرف سے منزل کچا ہونے کے اسباب۔ طالب علم پر رعب اور خوف کا مسئلہ۔ استاد کی طرف سے احساس کمتری کے اسباب۔ طالب علم پر رعب اور خوف کا مسئلہ اور بغاوت کرنے کے اسباب۔ تدریس میں ناکامی کے اسباب وغیرہ۔

اسی طرح: سبق کس طرح یاد کیا جائے؟ نئے سبق میں غلطی آنے کی وجوہات، نیا سبق یاد نہ ہونے کے اسباب کو بھی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

آج کل بچوں کی مار پیٹ کے حوالے سے بھی کافی حساسیت پائی جانے لگی ہے، اس حوالے سے بعض مرتبہ سوشل میڈیا پر بھی خبریں گردش کرتی رہتی ہیں، اس باب میں بھی زیرتبصرہ کتاب میں بہترین رہنمائی کی گئی ہے۔ کتاب کے آغاز میں شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب مدظلہم، مولانا قاری محمد عمر علی صاحب، مولانا قاری حق نواز صاحب، حضرت قاری مومن شاہ صاحب کی تقریظات شامل ہیں۔

حبیبیۃ شرح عقلیۃ

مولف: قاری حبیب الرحمن۔صفحات: ۱۶۸۔طباعت۔مناسب کارڈ کور۔ ملنے کا پتا: جامعہ صدیقیہ توحید پارک گلشن راوی لاہور۔03004388828

علوم قرآنیہ میں سے ایک اہم علم قرآن کریم کا رسم الخط ہے۔بعض الفاظ جو ہمارے ہاں مروج طریقے سے لکھے جاتے ہیں؛ قران مجید میں اس طرح لکھنے کی بجائے خاص طرز میں لکھے جاتے ہیں۔ یہ بات بھی اہم علم سے مخفی نہیں کہ بسااوقات رسم الخط کے بدلنے سے معنی و مدلول میں تبدیلی آجاتی ہے۔اس لیے قرآن کریم کا رسم جاننا بھی ضروری ہے ورنہ خطا کا امکان رہتا ہے۔

رسم قرآنی پر اہل علم نے متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں۔سب سے معروف حضرت ابوعمرو عثمان بن سعید الدانی کی کتاب ''**المقنع فی معرفۃ مرسوم مصاحفِ الامصار**'' ہے۔ یہ کتاب ''**المقنع**'' کے مختصر نام سے معروف ہے۔ اس کے مضامین کو علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے ۲۹۸ اشعار میں منظوم کیا ہے، اور اس کا نام'' **عقلیۃ اتراب القصائد فی السنی المقاصد**''رکھا۔ چوں کہ اس قصیدہ کا ہر شعر راء پر ختم ہوتا ہے اس لیے اسے'' قصیدہ رائیہ '' بھی کہتے ہیں۔مولانا قاری حبیب الرحمن صاحب زید مجدہ نے اس قصیدہ کے مختلف تراجم کو سامنے رکھتے ہوئے عام فہم اور سلیس ترجمہ کیا ہے۔ساتھ مختصر خلاصہ اور تشریح بھی کی ہے۔

کتاب کے آخر میں ان تمام الفاظ کو شعر نمبر کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔ جو اس قصیدہ میں مذکور ہوئے ہیں۔ بحیثیت مجموعی یہ ترجمہ وشرح تجوید وقراءات کے طلبہ کے لیے نہایت مفید اور قابل استفادہ ہے۔

صلّوا علی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مرتب: ابومحمد ابوعبداللہ خضر آبادی۔صفحات: ۲۷۰۔طباعت: عمدہ/دوکلر۔ ملنے کا پتا: ۱۷ حق اسٹریٹ عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور۔رابطہ نمبر: 0322-2930786

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا حق ادا کرنا ممکن نہیں۔لیکن اس کا طریقہ ضرور متعین ہے، ایک یہ کہ انسان اپنی زندگی کو سنت کے مطابق ڈھال لے، دوسرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود شریف پڑھا جائے۔علماء کرام نے اس سلسلے میں درود شریف کے مختلف مجموعات بھی تیار کیے ہیں۔زیر نظر کتاب بھی اس طرح کا ایک عمدہ مجموعہ ہے۔اس کتاب کی تیاری کے لیے درود شریف کے مستند مجموعوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔اہل دل کے لیے یہ کتاب خاص تحفہ ہے۔

کامیابی کیا ہے؟

مرتبہ: بنتِ حاجی قدرت اللہ۔صفحات: ۱۴۴۔طباعت: مناسب، کارڈ کور، قیمت: لکھی نہیں۔ ملنے کا پتا: قاسم نانوتوی لائبریری بنوں۔رابطہ نمبر 0336-5856666

''کامیابی کیا ہے؟'' یہ ایک اصلاحی کتابچہ ہے۔جس میں بچوں کی تعلیم وتربیت کے متعلق اہم عنوانات پر قرآن وحدیث اور اقوال سلف سے موضوع کا احاطہ کیا گیا ہے۔والدین کی اولاد سے محبت۔اولاد کی والدین سے محبت۔ والدین کے اولاد پر حقوق۔ ماں کی خدمت کا خصوصی خیال رکھنا۔اولاد کے دین کی فکر کرنا۔اولاد کی اخلاقی خرابی کے اسباب پر نظر رکھنا وغیرہ۔اسی طرح اساتذہ کے حقوق اور استاذ شاگرد کے تعلق پر بہترین مواد جمع کر دیا گیا ہے۔ کتاب بہت مناسب اور تعلیم وتربیت کے پہلو سے پر اثر ہے۔

تاریخ ریاست کوٹ فتح خان کوٹھڑہ

تالیف: مولانا سید احمد ولی اللہ شاہ بخاری۔صفحات: ۳۳۶۔طباعت: عمدہ۔ ملنے کا پتا: سید حبیب اللہ بخاری، واہ کینٹ۔رابطہ نمبر:03009840335

اس کتاب کا مکمل نام: ''تاریخ ریاست کوٹ فتح خان وسادات کوٹھڑہ'' ہے۔اٹک کے قریب معروف علاقے کالا چٹا پہاڑ کے دامن میں آباد کوٹ فتح خان کسی زمانے میں باقاعدہ ریاست تھی۔شرعی عدالت لگتی اور یہاں قرآن وسنت کے مطابق فیصلے ہوتے ،لوگ عدل وانصاف سے اپنا دامن بھر کر لے جاتے۔اسی قصبے میں سادات خاندان بھی آباد ہے، اس خاندان کے جد امجد علامہ سید السادات میر یشاہؒ تھے۔ اس خاندان میں بہت سے علماء و مشائخ ہوئے اور انہوں نے نہ صرف ریاست تو فتح خان میں اپنی شرعی ذمہ داریاں نبھائیں بلکہ عامۃ الناس میں رشد وہدایت کے دیے بھی جگائے۔

ریاست کوٹ فتح خان کے امراء اپنے وقت میں سکھوں سے بھی نبرد آزما رہے۔اور متعدد بار سکھوں کو شکست دی۔ بہرحال یہ ایک تاریخی دستاویز ہے۔اہل علاقہ اور علم وتحقیق سے شغف رکھنے والے احباب کے لیے یہ کتاب اہم ہے کہ اس میں بہت سے تاریخی حقائق ونوادر آ گئے ہیں۔